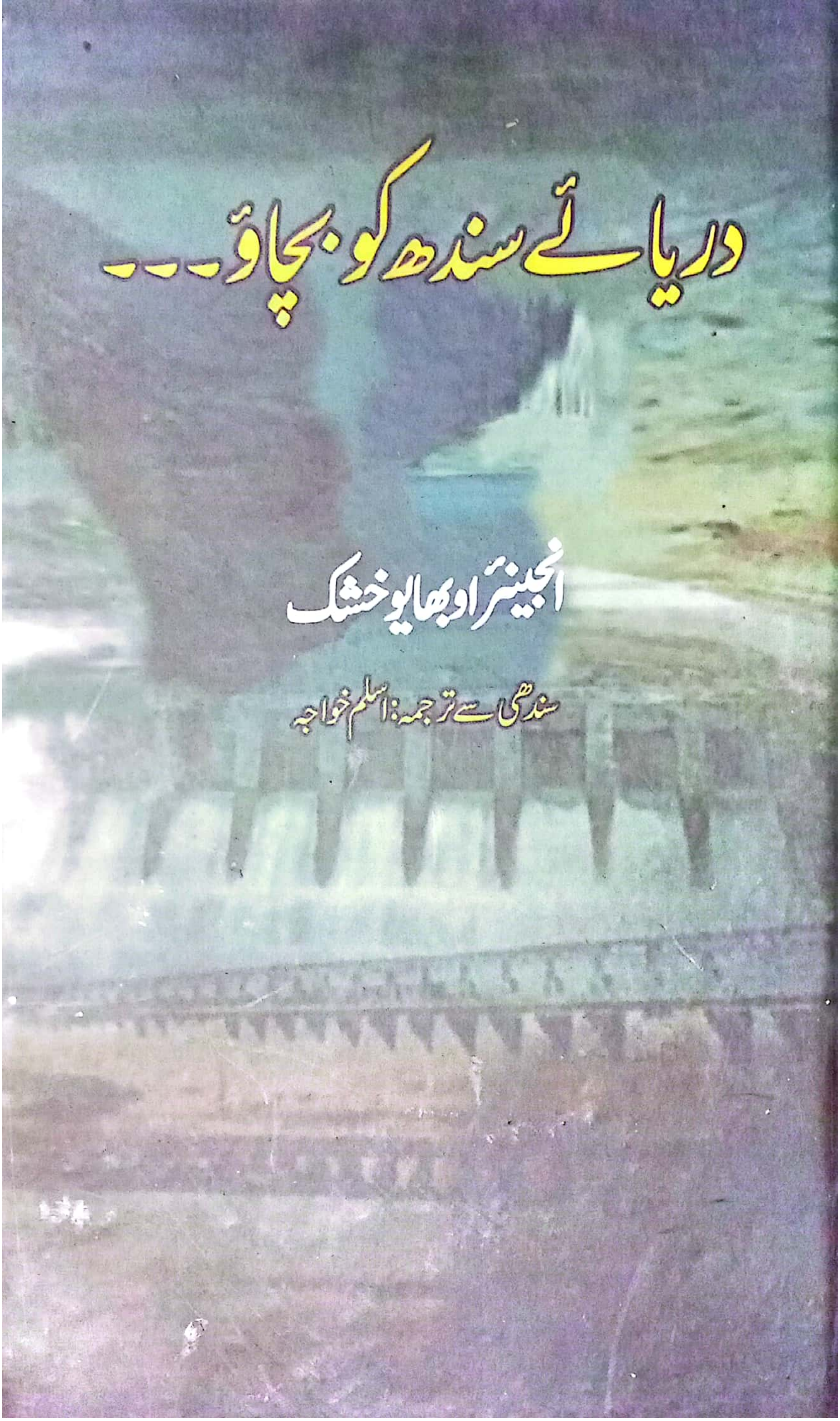

دریائے سندھ کو بچاؤ۔۔۔

انجینئر اوبھایو خشک

سندھی سے ترجمہ: اسلم خواجہ

دریائے سندھ کو بچاؤ۔۔۔

انجنیئر اوبھایو خشک

سندھی سے ترجمہ: اسلم خواجہ

فکشن ہاؤس
○ لاہور ○ گوجرخان ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail: fictionhouse1991@gmail.com

CS CamScanner

مصنف کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

کتاب کی کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی جاتی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا متن درست نہ ہو تو از راہ کرم مطلع فرمائیں۔ تا کہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے۔ (ناشر)

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : دریائے سندھ کو بچاؤ۔۔۔
مصنف : انجینئر اوبھایو خشک
سندھی سے ترجمہ : اسلم خواجہ
اہتمام : ظہور احمد خاں
پبلشرز : فکشن ہاؤس، لاہور
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق : ریاض ظہور
اشاعت : 2024ء
قیمت : -/700 روپے

تقسیم کار:
فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ، 68-مزنگ روڈ، لاہور۔ فون: 042-36307550-36307551
فکشن ہاؤس: رؤف کیانی پلازہ، بالمقابل حویلی مارکی، مین جی ٹی روڈ، گوجرخان۔ فون: 051-3510306
فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ، سکوائر حیدر چوک، حیدرآباد۔ فون: 022-2780608
فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور، دوکان نمبر 5، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس
○ لاہور ○ گوجرخان ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail: fictionhouse1991@gmail.com

انتساب

لداخ سے تعلق رکھنے والے،

بدھ مت کے اُن پیروکاروں

کے نام

جنہوں نے اپنے مذہبی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لئے مجوزہ بھاشا ڈیم کے خلاف احتجاج کیا۔

انجنیئر اوبھایو خشک

فہرست

پیش لفظ 7
عرضِ مصنف 12

1991ء کا آبی معاہدہ اور پنجاب کی فرمائش 15
بھاشا ڈیم: سندھ کیلئے زندگی یا بلیک وارنٹ 24
کیا ایک مزید ڈیم سندھ کیلئے سود مند ہو گا؟ 34
دریاؤں کا عالمی دن 39
کوٹری بیراج سے نیچے پانی کی ضروری فراہمی 43
پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم 47
بھاشا ڈیم کے نقصانات 52
سندھ بیراج- نقصان ہی نقصان 55
دریائے سندھ پر ڈیموں کی تعمیر کی سیاست 58
ارسا کے من پسند فیصلے اور سندھ کا نوحہ 63
ارسا کی ہٹ دھرمی اور سندھ کی بے بسی 70

سندھو کی راہ نہ روکو 76

ارسا کی چیئرمین شپ اور سندھ کی اُمیدیں 81

دریا کی پکار 85

سندھ میں پانی کی کمی 92

سندھ، پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم 98

آہ وبکا میرے بس میں 104

سندھو کو زندہ رہنے دو 108

میرے دریائے سندھ کو بچاؤ 115

CS CamScanner

پیش لفظ

سندھ کی حیات کا مکمل انحصار دریائے سندھ پر ہے جبکہ سندھ میں زیرِ زمین پانی بھی محدود مقدار میں ہے۔ عمومی طور پر سندھ میں برسات سالانہ ایک سو سے دو سو ملی میٹر ہوتی ہے جبکہ حرارت کی بنا پر پانی کے بخارات بننے کی شرح ایک ہزار سے دو ہزار ملی میٹر ہے، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ پورے سندھ میں زمین خشک اور سوکھی ہوئی ہے۔ فقط دریائے سندھ ہی ہے جو سندھ کی حیات کا باعث ہے۔ چونکہ سندھ میں بارشیں کم ہوتی ہیں اور زیرِ زمین پانی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لیے دریائے سندھ ہی ہے جس کے پانی سے سندھ کو حیاتِ نو حاصل ہوتی ہے۔

دریائے سندھ کا پانی، بیراج اور نہروں کی تعمیر سے قبل، ہزاروں برسوں سے آب پاشی کیلئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ انیسویں صدی کے دوران پہلا بیراج پنجاب میں دریائے راوی پر تعمیر کیا گیا، جبکہ 1882ء سے 1901ء تک دیگر دریاؤں پر بھی بیراج تعمیر کیے گئے۔ سندھ میں 1932ء کے دوران سکھر بیراج تعمیر کیا گیا۔

1933ء میں ستلج ویلی کینال منصوبے کی تعمیر کے بعد مختلف ریاستوں بیکانیر، بہاول پور، خیرپور اور پنجاب کے درمیان پانی کی تقسیم پر تنازعات پیدا ہوئے، جن کے حل کیلئے حکومتِ ہندستان نے 1937ء میں اینڈرسن کمیٹی تشکیل دی۔ اس وقت کے کینالوں کو پانی کی فراہمی سے متعلق کمیٹی کی سفارشات کو

حکومت نے منظور کیا۔ مذکورہ کمیٹی نے تھل کینال کی تجویز بھی پیش کی تھی۔

1940ء میں پنجاب کے خلاف سندھ کی شکایت پر راؤ کمیشن قائم کیا گیا، جس کی سفارشات کی روشنی میں 1943ء میں سندھ اور پنجاب کے درمیان مذاکرات ہوئے اور 1945ء میں سندھ اور پنجاب کے چیف انجنیئرز کے درمیاں پانی کی تقسیم کا ایک معاہدہ ہوا، جس کو "سندھ: پنجاب معاہدہ" کہا جاتا ہے۔

1948ء میں ہندستان نے پاکستان کے کچھ کینالوں کا پانی روک دیا، بعد ازاں 30 ستمبر 1960ء کو ورلڈ بینک کی ثالثی میں ہندستان اور پاکستان نے سندھ طاس معاہدے پر دستخط کیے، جس کے تحت تین دریاؤں راوی، ستلج اور بیاس کے جملہ حقوق ہندستان کو دیئے گئے جبکہ دریائے سندھ، جہلم اور چناب پاکستان کے حصے میں آئے۔

سندھ طاس معاہدے کے بعد حکومتِ پاکستان نے 1968ء، 1970ء، 1976ء اور 1983ء میں مرحلہ وار چار کمیشن قائم کیے لیکن اتفاقِ رائے حاصل نہیں کیا جا سکا جس کی بنا پر 1976ء میں تربیلا ڈیم کے بعد صوبوں کے درمیاں پانی کی تقسیم ایک ایڈہاک فارمولے کے تحت کی گئی۔

بعد ازاں، 21 مارچ 1991ء کو صوبوں کے درمیان پانی کا معاہدہ ہوا، جس کے تحت پنجاب کو 55.94 ملین ایکڑ فٹ (47.7 فیصد)، سندھ کو 48.76 ملین ایکڑ فٹ (41.5 فیصد)، خیبر پختونخواہ کو 8.78 ملین ایکڑ فٹ (7.5 فیصد) اور بلوچستان کو 3.87 ملین ایکٹر فٹ (3.3 فیصد) پانی تفویض کیا گیا۔

سندھ میں پانی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے برعکس سندھ کو ملنے والے پانی میں ہر سال کمی کی جا رہی ہے۔ 1991ء کے معاہدے کے تحت سندھ کو خریف اور ربیع کیلئے 48.76 ملین ایکڑ فٹ پانی دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ 1998ء سے 2000ء

تک سندھ میں شدید قحط جیسی صورتحال میں بھی 1991ء کے معاہدے میں مختص کیے گئے پانی سے بہت کم پانی سندھ کو فراہم کیا گیا۔

سندھ پانی کی موجودگی کے حوالے سے عدم تحفظ کا شکار ہے۔ دریائے سندھ کے اختتام پر ہونے کی بنا پر سندھ کو ہمیشہ مصائب کا سامنا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دریا کے آخری حصے کے مکین ڈوب کر مریں گے یا سوکھ کر۔ پانی کی کمی کے باعث زراعت سخت متاثر ہوتی ہے، جس کی بنا پر دیہی علاقوں میں آبادی خوراک کے حوالے سے مزید عدم تحفظ کا شکار ہوتی ہے۔ پینے کے قابل پانی مقدار اور معیار کے حوالے سے متاثر ہو رہا ہے۔ سندھ اور پنجاب میں پانی کے تنازعے کی ایک طویل تاریخ ہے۔ سندھ نے دریائے سندھ پر ڈیم اور لنک کینال کی تعمیر کے حوالے سے ہمیشہ اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے۔ دریائے سندھ کے اختتام پر ہونے کی وجہ سے دریا کے ابتدائی حصوں میں کسی بھی نوعیت کے منصوبے، ڈیم یا لنک کینال کی تعمیر کا سندھ کی معیشت، ماحولیات اور سماجی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہونا ناگزیر ہے۔ حال ہی میں، جنوری 2022ء کے دوران، سندھ کی جانب سے تونسہ اور گڈو بیراج کے درمیان پانی کے غائب ہونے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ 7 جنوری کو 6 فیصد پانی غائب ہوا، جو کہ 14 جنوری کو بڑھ کر 63 فیصد ہو گیا۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کیلئے قائم ادارہ ارسا بھی اپنا تفویض کردہ فرائض اچھی طرح سرانجام دینے میں ناکام رہا ہے۔

انیسویں صدی کے ریکارڈ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوٹری بیراج سے نیچے دریائے سندھ میں ہر سال 150 ملین ایکڑ فٹ پانی آتا تھا۔ دریا میں سال بھر تھوڑا بہت پانی موجود رہتا تھا، جو کہ مارچ کے مہینے میں بڑھ جاتا تھا جبکہ اگست میں دریا عروج پر آجاتا تھا اور نومبر میں پسپائی اختیار کرتا تھا۔

زراعت میں اضافے اور اس کے نتیجے میں صنعتی ترقی کی وجہ سے پانی زرعی مقاصد اور بجلی کی پیداوار کے لیے بھی استعمال ہونے لگا، جس کیلئے دریائے سندھ پر ڈیم تعمیر کیے گئے لیکن مستقبل میں نمودار ہونے والے ماحولیاتی مسائل کو اس ضمن میں غیر اہم سمجھا گیا۔ بیراجوں اور ڈیموں کے وسیع سلسلے کے ذریعے دریائے سندھ، دریائے جہلم اور دریائے چناب کی گزرگاہوں پر ایسی زمینیں آباد کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا جو قبل ازیں مشرقی دریاؤں پر آباد ہوتی تھیں اور جو سندھ طاس معاہدے کے تحت ہندستان کے حوالے کیے گئے دریاؤں کے طفیل تھیں۔ 1965ء میں وارسک ڈیم، 1967ء میں منگلا ڈیم اور 1976ء میں تربیلا ڈیم تعمیر کیے گئے۔ ان ڈیموں کی تعمیر سے سندھ میں، بالخصوص ساحلی خطے کی جانب پانی کے بہاؤ پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوئے۔

انڈس ڈیلٹا جو دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا ہے، جہاں دریائے سندھ کا میٹھا پانی زمانوں سے لاکھوں ٹن دریائی گاد لاکر ڈیلٹا کی زرخیزی اور حیات قائم رکھتا آیا ہے، بدقسمتی سے دریائے سندھ کے بہاؤ میں اس دوران آنے والی تبدیلیوں کی وجہ سے اپنے کارِ عمل سے محروم ہو گیا، نتیجتاً ایک ایسی صورتحال پیدا ہو گئی ہے، جس کو نظام فطری کے ساتھ انسانی زیادتی کی ایک اہم مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔

سندھ میں پانی کے مسئلے پر گذشتہ کئی برسوں سے ماہرین آبپاشی اپنے قلم کے ذریعے آواز بلند کر رہے ہیں جن میں بالخصوص شیر محمد بلوچ، اے این جی عباسی، ایم ایچ پنہور، ادریس راجپوت، نذیر میمن اور قاضی عبدالمجید قابل ذکر ہیں۔

انجنیئر اوبھایو خشک کا تعلق بھی اسی قلم قبیلے سے ہے، جو سندھ کے پانی کا مقدمہ اعداد و شمار کے ساتھ پیش کرتا رہا ہے۔ انکی یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں ان کے اکیس مضامین شامل ہیں۔ ان تمام مضامین کا محور دریائے

سندھ، سندھ اور پنجاب کے درمیان پانی کا تنازعہ، ڈیموں کی سیاست، بھاشا ڈیم کے نقصانات، ارسا کا متنازع کردار، مجوزہ سندھ بیراج کے نقصانات اور کوٹری بیراج سے نیچے پانی کی ضروری ترسیل ہے۔ اس کتاب میں انجنیئر اوبھایو خشک نے سندھ کے پانی کا مقدمہ انتہائی باریک بینی سے تیار کیا ہے۔ جس سے نہ صرف عام لوگوں کو اس پیچیدہ مسئلے کو سمجھنے میں مدد حاصل ہوگی بلکہ ہمارے پالیسی ساز اداروں کو بھی سندھ کا موقف سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ انجنیئر اوبھایو خشک سے میری ملاقات کئی سال پہلے آئی یو سی این میں ہوئی، جب وہ محکمہ آب پاشی میں ملازمت کر رہے تھے۔ مجھے حقیقتاً اس وقت خوشگوار حیرت ہوئی جب خشک صاحب سجاول سے خصوصی طور پر آئی یو سی این کی جانب سے شائع کردہ ایک دستاویز حاصل کرنے کیلئے تشریف لائے۔ لکھنے پڑھنے سے انکا پرانا تعلق ہے، وہ آج بھی مختلف موضوعات پر نئی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں اور تواتر سے لکھتے بھی رہتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ انجنیئر اوبھایو خشک کے تجربے سے حکومت فائدہ اٹھاتی اور انہیں اپنا مشیر مقرر کرتی، لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایسی روایت نہیں۔ میری دعا ہے کہ انجنیئر اوبھایو خشک صاحب اپنے علم و قلم کے ذریعے سندھ کے لوگوں کو پانی کے مسئلے پر بیدار کرتے رہیں۔ ان کی یہ کوششیں یقیناً نوجوان نسل کیلئے باعث تقویت ثابت ہوں گی، کیونکہ اب تو حکومتی اداروں میں پڑھنے لکھنے والی نسل ہی ناپید ہو رہی ہے۔

ناصر علی پنہور
جامشورو
30/ جنوری 2022ء

عرضِ مصنف

آج جب یہ تحریر کر رہا ہوں، یہ میری زندگی کا تیسرا مرحلہ ہے۔ پہلا مرحلہ بچپن اور تعلیم کا تھا، جو تیئس برس کی عمر پر اختتام کو پہنچا۔ اس کے بعد کا دوسرا مرحلہ تلاش روزگار میں گزرا، جو ساٹھ برس کی عمر میں مکمل ہوا۔ اس کے بعد یہ تیسرا مرحلہ ہے جس میں خود کو ایک مصنف کے طور پر دیکھتا ہوں۔ ایسا بھی نہیں کہ ساٹھ برس کی عمر پر سرکاری ملازمت ختم ہونے کے بعد روزگار کی جستجو ختم ہو گئی ہے۔ تاحال روزگار کیلئے تگ و دو جاری ہے، البتہ اس مرحلے پر روزگار اور لکھنے پڑھنے کے کاموں کو یکساں طور پر چلانے کی کوشش میں مصروف ہوں۔

زندگی کے پہلے مرحلے سے متعلق میں نے اپنی سندھی میں چھپی سوانح حیات "چیتارے چیام" میں تھوڑا بہت تحریر کیا ہے۔ اس میں ایک بات جو رہ گئی وہ یہ کہ مجھے کتابی دنیا سے متعارف کرانے والے میرے ہائی اسکول کے اُستاد محترم خیر محمد میمن تھے، جنہوں نے مجھے یہ کہہ کر کہ میں اپنی انگریزی پر توجہ دوں، حیدرآباد سے شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ 63-1962ء کا زمانہ تھا، جب میں ہائی اسکول کے ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے اخبار خرید کر کے پڑھنا تو شروع کیا لیکن یہ سلسلہ برقرار نہیں رکھ سکا۔ کیونکہ والد صاحب سے ملنے والی ماہانہ رقم سے روزانہ ایک آنے کی اخبار خریدنا میری قوتِ خرید

سے باہر تھا۔ بہر حال! اس بنا پر مجھ میں پڑھنے کا رجحان پیدا ہوا اور میں کتابیں خریدنے اور پڑھنے لگا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج میرے پاس ذاتی لائبریری ہے، جو کہ میں نے ٹھٹہ سے تعلق رکھنے والے اپنے دور کے ایک بڑے عالم مخدوم معین عرف مخدوم ٹھارو کے نام سے منسوب کی ہوئی ہے۔

اس سے قبل میری سوانح حیات کے علاوہ مرتب کردہ سندھی میں کتابیں "گوندر گس پرینءجو" اور پانی پر کتاب "سندھ پنجاب پانی ما مرو" شائع ہو چکی ہیں۔ اس طرح یہ "دریائے سندھ کو بچاؤ۔۔۔" میری چوتھی کتاب ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ چونکہ میں بنیادی طور پر سول انجنیئر ہوں اور میری زندگی کا ایک بڑا حصہ پانی کے امور سے متعلقہ رہا ہے، اس لیے میری کتابوں میں سے دو (زیر نظر سمیت) پانی سے متعلق ہیں جبکہ تیسری انگریزی کتاب بھی آخری مراحل میں ہے۔ امید ہے کہ رواں سال وہ بھی آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ (اردو کتاب کی اشاعت سے قبل انگریزی کتاب شائع ہو چکی ہے۔)

یہ حقیقت ہے کہ اس جہاں میں ہر جاندار چیز کیلئے پانی اور ہوا بہت ضروری عناصر ہیں، جن کے سوا کسی جاندار کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ آج کے دور میں ہوا تو انسان کے بس میں نہیں تاہم وہ پانی پر قبضے کی کوشش میں ضرور مصروف ہے۔ پانی چاہے کسی دریا کا ہو یا کسی نہر کا، اس پر اوپری دھارے پر موجود فریق کوشش کر کے زیریں دھارے کے فریق کے حصے کو اپنے مصرف میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ سندھ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے اور پنجاب اوپری دھارے کے فریق کے طور پر گذشتہ ڈیڑھ صدی سے دریائے سندھ کے پانی پر قبضہ کرنے میں مصروف ہے۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارا انڈس ڈیلٹا، جو دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا تھا، آج حیات و موت کی کشمکش میں ہے۔ نہ صرف انڈس ڈیلٹا تباہ ہو رہا ہے بلکہ بین الاقوامی ماہرین کا دریائے سندھ سے متعلق کہنا ہے کہ آئندہ صدی کے دوران خود

دریا بھی مردہ دریاؤں میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کوئی نئی پیش رفت نہیں ہوگی۔ کسی زمانے میں سندھ میں ھاکڑو/ سرسوتی نامی دریا بہتا تھا جو سندھ گلف نامی سمندری گھائی کے ذریعے سمندر میں شامل ہوتا تھا۔ یہ دریا ایک اندازے کے مطابق 1228ء تک بہتا رہا، بعد ازاں پانی کی کمی کے باعث یہ دریا خشک ہو کر اپنا وجود گنوا بیٹھا۔ دریائے سندھ میں پانی کی قلت کی وجہ سے انڈس ڈیلٹا ختم ہو چکا ہے۔ وہ انڈس ڈیلٹا جو پانچ ہزار سال قبل ایک برس میں بیس گز، الیگزینڈر کے وقت میں 120 گز، عرب دور میں نو گز، 600 سال قبل 6 گز اور برطانوی دور میں چار گز سالانہ کی بنیاد پر بڑھتا تھا، وہاں آج سمندر کا ساحلی پٹی پر قبضہ شروع ہو گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آج تک سمندر ساحلی پٹی کی 32 لاکھ ایکڑ زمین نگل چکا ہے۔ اس قبضے کو روکنے کا واحد راستہ پورا سال دریائے سندھ میں پانی کا بہاؤ برقرار رکھنا ہے۔

میری اس کتاب کا موضوع بھی دریائے سندھ کو آزاد رہنے دینے کی جدوجہد کا اظہار ہے۔ اگر واپڈا اپنے پروگرام ویژن 2025ء میں کامیاب ہو گیا تو پھر وہ وقت دور نہیں کہ تاریخ خود کو دہرائے اور ہماری آئندہ نسل کو سندھ کا نام اجنبی اور نیا لگے۔ تاریخ میں درج ہے کہ آج سے ساٹھ ہزار سال قبل سمندر ملتان تک اور نو ہزار سال قبل موجودہ ہالا کے گرد و نواح میں تھا۔

اگر ہمیں اگلی نسل کیلئے دریائے سندھ کو بچانا ہے تو پھر ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دریائے سندھ پر کسی بھی نئے ڈیم یا کسی اور رکاوٹ کی تعمیر کے خلاف جدوجہد کریں۔ اس کتاب میں شامل مضامین کی نوک پلک درست کرنے پر محترم زاہد اسحاق سومرو کا ممنون ہوں۔

انجنیئر اودھایو خشک

6/ جون 2022ء
ٹھٹہ

1991ء کا آبی معاہدہ اور پنجاب کی فرمائش

کچھ عرصہ قبل اخبارات میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق پنجاب نے دریائے سندھ اور اس سے متعلقہ دریاؤں میں پانی کی تقسیم، 1991ء کے پانی تقسیم معاہدے کی شق نمبر 2 کے بجائے شق نمبر 14 کے تحت کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ مطالبہ پنجاب کی جانب سے مشترکہ مفادات کی کونسل کے اجلاس میں پانی کی تقسیم کے تصفیئے کے لیے اٹارنی جنرل آف پاکستان کی جانب سے پیش کردہ ایک رپورٹ کے جواب میں پیش کیا گیا۔ جس میں اٹارنی جنرل نے پانی کی تقسیم 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت کرنے کی سفارش کی تھی۔ پنجاب حکومت کے اعتراض پر وفاقی حکومت نے مسئلے کے حل کیلئے سندھ اور پنجاب صوبوں کے فنی ماہرین پر مشتمل کمیٹی تشکیل دینے کا اعلان کیا۔ آیئے، 1991ء کے اس معاہدے پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

پس منظر:

سندھ اور پنجاب کے درمیان دریاؤں کے پانی کی تقسیم پر اختلاف کی تاریخ ڈیڑھ صدی پرانی ہے۔ اس عرصے کے دوران مختلف کمیٹیاں / کمیشن تشکیل ہوتے رہے ہیں لیکن ہر مرتبہ پنجاب ان کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے۔ 1947ء تک قائم ہونے والی کمیشنوں / کمیٹیوں میں انڈس اریگیشن کمیشن، کاٹن

کمیٹی، اینڈرس کمیٹی اور راؤ کمیشن قابلِ ذکر ہیں۔ راؤ کمیشن رپورٹ کی روشنی میں سندھ اور پنجاب کے چیف انجنیئروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے 1945ء میں پانی کی تقسیم کو حتمی شکل دے کر مرکزی حکومت کو اپنی سفارشات ارسال کیں، جس نے رپورٹ کی منظوری دی اور سرکاری سطح پر اس کی آخری منظوری کیلئے صوبوں کو ارسال کی۔ چونکہ اُن دنوں برصغیر سیاسی حوالے سے انتہائی کشمکش کا شکار تھا، اس لیے پنجاب صورتحال کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے معاہدے پر دستخط کرنے سے کتراتا رہا، بالآخر 1947ء میں برصغیر کی تقسیم کی وجہ سے یہ معاہدہ عملی صورت اختیار نہیں کرسکا۔ 1947ء سے 1991ء تک اس ضمن میں تشکیل دی جانے والی کمیٹیوں/کمیشنوں میں اختر حسین کمیٹی، جسٹس فضل اکبر کمیشن اور جسٹس حلیم کمیشن شامل ہیں۔ مندرجہ بالا تمام کمیٹیوں/کمیشنوں کے اغراض و مقاصد اور فیصلوں کا ذکر میں نے اپنی کتاب ”سنڌ پنجاب پاڻي مامرو“ میں تفصیلی طور پر کیا ہے۔ ان تمام ترکوششوں کے باوجود پنجاب کسی بات پر بھی متفق نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر 1991ء میں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر اتفاق رائے کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا، جس پر چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور ان کے نمائندوں کے دستخط ہیں۔

معاہدے کے تفصیل:

1991ء کا پانی معاہدہ چودہ نکات پر مشتمل ہے۔ اس معاہدے کے تحت صوبوں کے درمیان 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی کی تقسیم کی گئی ہے۔ معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت صوبوں کے درمیان خریف اور ربیع کیلئے پانی کی تقسیم اس طرح سے ہے: پنجاب 55.94 ملین ایکڑ فٹ، سندھ 48.76 ملین ایکڑ فٹ، بلوچستان 3.87 ملین ایکڑ فٹ اور خیبر پختونخواہ 5.78 ملین ایکڑ فٹ۔ خیبر پختونخواہ کیلئے رم

اسٹیشنز سے اوپر غیر پیمائش شدہ نہروں کیلئے 3.0 ملین ایکڑ فٹ پانی علیحدہ سے مختص کیا گیا ہے۔

شق نمبر 4 میں اضافی پانی بشمول سیلابی فراہمی اور مستقبل کے ذخائر کی تقسیم اس طرح سے کی گئی ہے، پنجاب 37 فیصد، سندھ 37 فیصد، خیبر پختونخواہ 14 فیصد اور بلوچستان 12 فیصد۔ شق نمبر 6 میں آئندہ کے امکانی آبی ذخائر کی بات کی گئی ہے۔ شق نمبر 7 میں سمندری تباہی کو روکنے کیلئے پانی جاری کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے جبکہ اس پانی کی مقدار کے تعین کیلئے مستبقل میں مطالعاتی تحقیق کرانے پر بھی رضامندی ظاہر کی گئی ہے۔ شق نمبر 13 میں انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (IRSA) کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ شق نمبر 14 پانچ ذیلی شقوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل ذیل درج ہے:

(a) نظام کے تحت مقرر دس روزانہ کی بنیاد پر علیحدہ سے کام کیا جائے گا اور اس معاہدے کے ایک حصے طور نحقی کیا جائے گا۔

(b) 1977-82 کے عرصے کیلئے حقیقی نظام پر استعمال کے ریکارڈ مستقبل کے ضوابط کا جواز مرتب کرنے میں پیشرو بن سکتے ہیں۔ یہ دس روزانہ استعمال مختلف نہروں کے نظام کے موسموں کے لحاظ سے مقرر کردہ ظاہر کرنے کیلئے متناسب طور پر ہم آہنگ کیے جائیں گے اور پورے پاکستان کی بنیاد پر کمی اور ذخائر کی تقسیم کی بنیاد بنیں گے۔

(c) موجودہ ذخائر صوبوں کی آب پاشی ضروریات کیلئے استعمال کیے جائیں گے۔

(d) صوبوں کو اپنی تفویض شدہ حدود کے اندر یہ اجازت حاصل ہو گی

CS CamScanner

کہ وہ سسٹم کے مطابق پانی کم یا زیادہ کر سکیں گے، یا وقت / موسم کے لحاظ سے تبدیل کر سکیں گے۔

(e) پانی کے ضیاع کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ کوئی بھی صوبہ اضافی پانی استعمال کر سکتا ہے، تاہم اس استعمال کو حق کے طور پر استعمال نہیں کیا جائے گا۔

معاہدے پر عمل درآمد:

1991ء سے 1993ء تک پانی کی تقسیم معاہدے کے شق نمبر 2 تحت کی گئی جبکہ 1994ء میں دریاؤں میں پانی کی کمی کا عذر پیش کر کے، وفاقی وزیر برائے پانی و بجلی نے صوبائی وزرا کے اجلاس میں اکثریتی رائے کے ساتھ پانی کی تقسیم شق نمبر 2 کے بجائے تاریخی استعمال کی بنیاد پر کرنے کا فیصلہ کیا، اس اجلاس میں خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کو پانی کی کمی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

سندھ کے اعتراضات کے جواب میں کہا گیا کہ یہ فیصلہ فقط حالیہ سیزن کیلئے ہے۔ 1994ء سے 2002ء تک اور 2003ء سے آج تک پانی کی تقسیم سہ-رخی فارمولے کے تحت ہو رہی ہے حالانکہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ وفاقی وزارتِ قانون نے 16 اکتوبر 2000ء اور 16 فروری 2001ء کو ارسا کو خطوط تحریر کر کے یہ یاد دہانی کرائی کہ تاریخی استعمال کی بنیاد پر کمی تقسیم کرنے کا انداز پانی کے معاہدے اور آئین کی خلاف ورزی ہو گی۔ علاوہ ازیں 23 اکتوبر 2000ء کو ملک کے چیف ایگزیکیٹو نے ارسا کو ہدایات جاری کیں کہ 1994ء کا وزارتی کونسل کا فیصلہ برائے پانی کی تقسیم منسوخ کیا جائے۔ چیف ایگزیکیٹو کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ارسا 1994ء کے وزارتی کونسل کے فیصلے کو منسوخ کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کرنے کے باوجود پانی کی تقسیم معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت کرنے سے گریزاں ہے۔

CS CamScanner

ارسا بلوچستان اور خیبر پختونخواہ صوبوں کو کمی میں حصہ داری سے مستثنٰی قرار دے کے معاہدے کی شق 14 (b) کی خلاف ورزی کا ارتکاب کررہی ہے، جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کمی اور بچت پورے پاکستان کی بنیاد پر تقسیم ہوں گی۔

2003ء میں قومی اسمبلی کے اسپیکر نے پانی کے مسئلے کے حل کیلئے سینیٹر نثار میمن کی سربراہی میں "پارلیامانی کمیٹی برائے آبی وسائل" تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ 1991ء کا معاہدہ ایک متبرک حیثیت کا حامل ہے اور 1994ء کا وزارتی کونسل کا فیصلہ کسی صورت اس پر اثرانداز نہیں ہوگا۔

محترم اے این جی عباسی نے بحیثیت چیئرمین فنی کمیٹی پنجاب کی جانب سے تاریخی استعمال کے تحت پانی کی تقسیم پر زور دینے کا سبب تاریخی استعمال کے نتیجے میں پنجاب کی جانب سے کمی والے عرصے کے دوران معاہدے کے تحت تفویض شدہ پانی سے زیادہ پانی حاصل کرنے کو قرار دیا ہے۔ ایک جانب پنجاب معاہدے میں تفویض سے زیادہ پانی حاصل کرتا ہے تو دوسری جانب دو صوبوں کو پانی کی کمی سے مستثنٰی قرار دیئے جانے سے پوری کمی سندھ کے حصے میں آتی ہے اور سندھ کو اپنے حصے سے کم پانی ملتا ہے، جس کی بنا پر سندھ کو مکمل طور پر خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حال ہی میں لاہور کے ادارے "انٹر نیشنل واٹر مینیجمنٹ" کی جانب سے 1991ء کے معاہدے پر ایک تحقیقی مقالہ شائع کیا گیا ہے، جس میں ارسا کے غیر مطبوعہ مواد کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 94-1993ء میں 133 ملین ایکڑ فٹ اور 95-1994ء میں 178 ملین ایکڑ فٹ پانی سسٹم میں موجود تھا جبکہ 77-1976ء سے 15-2014ء تک اوسطاً 144.53 ملین ایکڑ فٹ پانی سسٹم میں موجود رہا ہے۔

CS CamScanner

جائزہ:

آیئے! معاہدے کی شق 2 اور 14 کا ایک عمومی جائزہ لیتے ہیں۔ شق نمبر 2 میں ہر صوبے کا خریف اور ربیع کیلئے بنیادی طور پر تقسیم شدہ پانی کا تناسب علیحدہ علیحدہ ہے۔ اگر دریاؤں میں بنیادی طور پر تقسیم شدہ پانی یعنی 117.35 ملین ایکڑ فٹ سے زیادہ پانی آتا ہے تو پھر یہ شق نمبر 4 کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ معاہدے کی کسی بھی شق یا فقرے میں یہ تحریر کیا ہوا نہیں ہے کہ اگر پانی 117.35 ملین ایکڑ فٹ سے کم آیا تو پانی کی تقسیم معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت نہیں کی جائے گی۔

شق نمبر 14 (a) میں لکھا ہوا ہے کہ سسٹم کے تحت مقرر کردہ دس روزانہ کی بنیاد پر علیحدہ سے کام کیا جائے گا۔ اس فقرہ کے تحت ہر صوبے نے اپنی نہروں کا موسم کے لحاظ سے دس روزانہ کی بنیاد پر پانی کی تقسیم کے تفصیل تیار کر کے دیئے۔

فقرہ 14 (b) میں انگریزی میں ہی نقل کر رہا ہوں تا کہ پڑھنے والوں کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

> (14-b) The record of actual average system uses for the period 1977-82, would form the guidence for developing a future regulation patterns.

مندرجہ بالا فقرہ واضح کرتا ہے کہ 10 روزانہ تقسیم کی بنیاد 1977-82ء کے عرصے کے دوران استعمال ہونے والے پانی پر ہو گی۔ اس بات کی کہیں بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ یہ عرصہ کیوں منتخب کیا گیا جبکہ تربیلا بیراج 1977ء میں تعمیر ہوا۔ 1983ء میں جسٹس حلیم کمیشن قائم ہوا، جس نے اپنی رپورٹ میں پانی کے اعداد و شمار اس عرصے سے اخذ کیے تھے اور ان کے تحت پانی کی تقسیم کی سفارش کی

تھی۔ اس شق میں کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر پانی بنیادی تقسیم شدہ مقدار سے کم ہوگا تو پانی کی تقسیم اس شق کے تحت کی جائے گی۔ اس شق میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ بنیادی تقسیم شدہ پانی میں آنے والی کمی یا اضافہ پورے پاکستان کی سطح پہ تقسیم ہوں گے۔

شق نمبر 14 (e) میں لکھا ہے کہ پانی کے ضیاع کو روکنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ یہ بات فقط کاغذی حد تک ہے۔ دریائے سندھ جہاں پنجاب میں داخل ہوتا ہے، وہاں سے لیکر سندھ کی حدود تک، دریا کے دونوں کناروں پر زیادہ تر آباد زمین ہے۔ یہ پانی کسی بھی معاہدے میں شامل نہیں ہے اور نہ ہی پنجاب کی تفویض میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے جب خریف میں پانی کی کمی ہوتی ہے تو سندھ کو اپنی حصے سے کم پانی ملتا ہے یا پورا پانی تاخیر سے ملتا ہے۔ اس کی مثال 2018ء اور 2019ء کی خریف سے مل سکتی ہے، جب سندھ کی ضرورت کے مطابق پانی جولائی کے مہینے میں ملا جبکہ معاہدے کے تحت خریف کی سیزن یکم اپریل سے شروع ہوتی ہے۔

سندھ کو پانی کی تنگی یا بروقت نہ ملنے کا ایک سبب چشمہ - جہلم لنک کینال کا مستقل طور پر جاری رہنا بھی ہے۔ 1991ء کے پانی معاہدے میں شامل پنجاب کی نہروں کے نام اور اُن کیلئے تفویض شدہ پانی کے اعداد و شمار دیئے گئے ہیں، ان میں چشمہ - جہلم لنک کینال شامل نہیں ہے۔ در حقیقت چشمہ - جہلم لنک کینال ایک سیلابی نہر ہے۔ 3 جولائی 1973ء کو سندھ اور پنجاب کے درمیان اس لنک کینال سے متعلق ایک عارضی معاہدہ کیا گیا، جس کے تحت:

1- یہ پانی جولائی 1973ء کیلئے عارضی بنیادوں پر ہوگا۔

2- سندھ کے وزیر اعلیٰ کے کہنے پر واپڈا نہر بند کر دے گی۔

3- یہ پانی چشمہ - جہلم لنک کینال کے زیریں حصے کو صحیح سالم حالت میں رکھنے کیلئے ہو گا۔

تاہم افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پنجاب اس معاہدے سے مکر گیا۔ 1985ء تک سندھ کے وزیر اعلیٰ سے اس کینال میں پانی جاری کرنے کی رسمی اجازت لی جاتی تھی لیکن اس کے بعد یہ رسمی اجازت بھی نہیں لی جاتی اور مذکورہ لنک کینال سال کے بارہ مہینے جاری رہتا ہے۔ سندھی میں کہاوت ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ چونکہ پنجاب دریا کے بالائی حصے پر واقع ہے اس لیے وہ اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلیتا ہے اور بعدازاں سندھ کیلئے جاری کرتا ہے جو کہ بین الاقوامی طور پر منظور شدہ اصولوں کی خلاف ورزی ہے، جن کے تحت زیریں علاقوں کو بالائی فریق کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہو گی۔ پنجاب کی فیل مستی کی وجہ سے سندھ کبھی خشک ہے تو کبھی سیلاب میں غرق رہا ہے۔ سیلاب کے دنوں میں جب کوٹری بیراج کے نیچے پانی کی آمد ہوتی ہے تو اس کو پانی کا ضیاع کہہ کر سندھ پر تنقید کی جاتی ہے۔ اسی بات کو بنیاد بنا کر دریائے سندھ پر نیا ڈیم تعمیر کرنے کا راگ آلاپا جاتا ہے، حالانکہ 1991ء کے معاہدے میں سمندر کی پیشقدمی روکنے کیلئے 10 ملین ایکڑ فٹ پانی کوٹری بیراج سے آگے چھوڑنے کی تجویز دی گئی تھی۔ حقیقتاً یہ مقدار ڈیلٹا کو بچانے اور ماحولیاتی تباہی کو روکنے کیلئے ناکافی ہے، لیکن سندھ کے زیریں علاقوں کو یہ پانی بھی فراہم نہیں کیا جاتا۔ IUCN کی ایک تحقیقی رپورٹ میں ڈیلٹا کے تحفظ اور ماحولیاتی دھارے کیلئے 30 ملین ایکڑ فٹ پانی کی سفارش کی گئی ہے۔ شق نمبر (b) اور 14 (a) کے تحت بنیادی تقسیم شدہ پانی کے علاوہ کمی میں حصہ دار بننے کیلئے کوئی نئی تقسیم/تفویض نہیں کی گئی ہے۔ اس پورے بحث میں یہ بات واضح ہے کہ پنجاب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ارسا پانی کے معاہدے پر عمل درآمد کرانے سے کترا رہا ہے

اور پانی کی آمد اور اخراج کے اعداد و شمار میں ہیرا پھیری میں ملوث ہے۔

اختتامیہ:

وسیع تر ملکی مفاد میں، 1991ء کے معاہدے پر اسکی روح کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔ پانی کی آمد اور اخراج کے درست اعداد و شمار (Water Accounting) کے ضمن میں صوبوں کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پانی کی درست جمع تقسیم رکھنے کیلئے پانی کے بہاؤ کو ناپنے کیلئے ٹیلی میٹر سسٹم از سرنو لگایا جائے اور اسکی کامیابی کی یقین دہانی کرائی جائے۔ ٹیلی میٹر سسٹم کے ذریعے حاصل ہونے والے اعداد و شمار عام لوگوں کی رسائی میں ہوں اور اس کے جائزے کیلئے کسی غیر جانبدار فریق کو مقرر کیا جائے۔

سندھ کے محکمہ آب پاشی کی جانب سے پانی کی امور کی جانچ پڑتال کیلئے پانی کی تقسیم کا سیل (Water Distribution Adviser) اور لاہور میں ایک ایگزیکیٹو انجنیئر کا دفتر اور سب ڈویژنل افسران بھی ہیں۔ یہ عہدے مختلف وجوہات کی بنا پر خالی ہوتے ہیں یا ان پر تعینات افسران اپنے فرائض درست طریقے سے سرانجام نہیں دیتے۔ حکومتِ سندھ کو اسے فعال بنانے کیلئے کچھ خصوصی اقدامات اُٹھانے چاہئیں۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار" 27/نومبر 2020ء)

بھاشا ڈیم : سندھ کیلئے زندگی یا بلیک وارنٹ

سندھ کے ایک آبی ماہر نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ دنیا میں چار موسم ہیں جبکہ پاکستان میں پانچ اور یہ پانچواں موسم ہے کالاباغ ڈیم کا۔ ایک طویل عرصہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر کیلئے ملکی سطح پر بڑے زور شور کے ساتھ مہم چلائی گئی، اُس دوران پانی سے متعلق معلومات رکھنے والے کچھ فنی ماہرین اور غیر فنی ماہرین اور سندھ کے قوم پرستوں نے اس کے خلاف اپنی حیثیت کے مطابق جدوجہد کی لیکن حکومتِ پاکستان نے ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی۔ بالآخر ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی نے 1998ء میں کالاباغ ڈیم کے خلاف کموں شہید اور اٹک پل پر ایک ہی وقت دھرنا دیا، جس کے بعد کالاباغ ڈیم کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور وہ مردہ گھوڑا ہوگیا۔ لیکن اب بھی کبھی کبھار کالاباغ ڈیم کا راگ الاپنے کا سلسلہ جاری ہے۔ جب حکومت نے دیکھا کہ ملک کی چھوٹے صوبے اس سودے کی خریداری پر تیار نہیں ہیں تو اُس نے دیگر ڈیموں جن میں بھاشا ڈیم سرفہرست ہے، کی تعمیر کا مطالبہ پروان چڑھانا شروع کیا۔ سننے میں آرہا ہے کہ وفاقی حکومت نے بھاشا ڈیم کی تعمیر کا فیصلہ کرلیا ہے اور اس کیلئے بنیادی کام کا آغاز ہو چکا ہے۔

ملک میں بڑے آبی ذخائر (ڈیمز) کی تاریخ:

1947 میں برصغیر کی تقسیم کے نتیجے میں دو آزاد ممالک ہندستان اور پاکستان کے نام سے معرضِ وجود میں آئے۔ اس تقسیم کے نتیجے میں برصغیر کے دو بڑے صوبے بھی تقسیم ہوئے۔ مغربی پنجاب پاکستان کے حصے میں آیا جبکہ مشرقی پنجاب ہندستان کا حصہ بنا۔ اسی طرح سے بنگال بھی پاکستان اور ہندستان میں تقسیم کیا گیا۔ پنجاب کی تقسیم کچھ اس طرح سے ہوئی کہ پاکستان کی جانب آنے والے دریاؤں کا بالائی حصہ ہندستان میں جبکہ زیریں حصہ پاکستان کے حصے میں آیا، بالخصوص دریائے راوی، ستلج اور بیاس کے ہیڈ ورکس ہندستان کی اراضی میں آئے۔ ہندستان نے یکم اپریل 1948ء کو فیروزپور اور مادھپور ہیڈورکس بند کر دیئے، وہیں سے ہندستان اور پاکستان کے درمیان پانی پر اختلافات شروع ہوئے، جو 1960ء میں سندھ طاس معاہدے تک جاری رہے۔ سندھ طاس معاہدے کے تحت تین دریا ہندستان کے حوالے کیے گئے، جس کے نتیجے میں پاکستان پانی کی کمی کا شکار ہوا۔ اس کمی کے ازالے کیلئے متبادل تجویز کرنے کی غرض سے انڈس بیسن ایڈوائزری بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس بورڈ کے تمام تر آٹھ اراکین کا تعلق پنجاب سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابتدائی طور پر صرف منگلا ڈیم ہی سندھ طاس معاہدے میں شامل تھا، تاہم بعدازاں صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان نے ورلڈ بینک کو ہندستان پر حملے کی دھمکی دیکر تربیلا ڈیم کو بھی پروگرام میں شامل کرایا۔ (بحوالہ: رسول بخش پلیجو کی کتاب "سندھ-پنجاب واٹر ڈسپیوٹ")۔ منگلا ڈیم 1967ء میں اور تربیلا ڈیم 1976ء میں قائم ہوئے۔ سندھ طاس معاہدے کے وقت دریائے ستلج پر باکھڑا ڈیم موجود تھا۔ تربیلا ڈیم کی تعمیر کے وقت یہ تاثر دیا گیا کہ یہ فقط سندھ کیلئے ہوگا۔ تاہم دونوں

ڈیم تعمیر ہونے کے باوجود سندھ میں پانی کی تنگی برقرار رہی۔ بالآخر 1991ء میں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے وقت سمجھا جارہا تھا کہ سندھ اور پنجاب کے درمیان 1859ء سے جاری پانی کا تنازعہ ختم ہوگیا۔ لیکن افسوس کہ یہ فقط خواہش ہی رہی۔ معاہدے کے کچھ ہی عرصے کے بعد پنجاب نے نئے مسائل کھڑے کردیئے جو تاحال حل طلب ہیں۔

1991ء کا معاہدہ اور اس کے بعد:

1991ء کے معاہدے میں 14 شقیں شامل ہیں۔ شق نمبر 2 کی تحت ہر صوبے کا ہر موسم میں پانی مختص کیا گیا ہے اور اس میں خریف اور ربیع کیلئے دس روزہ بنیاد پر پانی تقسیم کیا گیا ہے جو مشترکہ مفادات کی کونسل کی منظوری کے بعد اصل معاہدے میں ضمیمے کے طور پر شامل کیا گیا۔ اس معاہدے میں 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی تقسیم کیا گیا۔ شق نمبر 14 (b) میں کہا گیا ہے کہ کمی یا اضافہ پورے ملک کی بنیاد پر تقسیم ہوں گے۔ شق نمبر 7 میں انڈس ڈیلٹا کیلئے پانی پر اتفاق کیا گیا۔ سندھ نے 10 ملین ایکڑ فٹ پانی کا مطالبہ کیا، دیگر صوبوں نے اس میں کمی بیشی کی بات کی۔ فیصلہ کیا گیا کہ پانی کے مقدار کے تعین کیلئے ایک تحقیقاتی مطالعہ کرایا جائے گا۔ 1991ء کے معاہدے پر فقط تین سال عمل درآمد کیا جا سکا جبکہ 1994ء سے 2002ء تک "تاریخی بنیادوں" پر پانی کی تقسیم کی گئی۔ 2003ء سے آج تک سہ رخی فارمولے کے تحت تقسیم کی جارہی ہے۔ حال ہی میں مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس میں پنجاب نے 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم سے یہ کہہ کر انکار کردیا ہے کہ معاہدے میں 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی تقسیم کیا گیا ہے جبکہ سسٹم میں 102.75 ملین ایکڑ فٹ پانی میسر ہے چنانچہ جب تک 14.60

ملین ایکڑ فٹ پانی کے نئے آبی ذخائر تعمیر کر کے، پانی کی مقدار پوری نہیں ہوتی۔ معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔

پنجاب شق نمبر 2 پر اس لیے عمل درآمد نہیں کرتا کہ تاریخی بنیاد/ سہ رخی فارمولے کے تحت تقسیم میں پنجاب کا فائدہ ہے۔ 1991ء کے معاہدے کے تحت پنجاب کو خریف کیلئے کل پانی کا 48 فیصد حصہ مختص ہے جبکہ تاریخی بنیاد پر اس کا حصہ 51 فیصد بنتا ہے۔ یہی حال ربیع کا ہے، 1991ء کے معاہدے کے تحت پنجاب کا حصہ 51 فیصد ہے جبکہ تاریخی بنیاد پر پنجاب کا حصہ 56 فیصد ہے۔ کیا پنجاب کا یہ مطالبہ قابلِ قبول ہے؟ میرے خیال میں کوئی بھی ذی ہوش پنجاب کے اس مطالبے کی حمایت نہیں کرے گا، کیونکہ 1991ء کے معاہدے میں ایسی کوئی بھی شق شامل نہیں ہے۔ اس وقت ملک میں موجود آبی ذخائر کی گنجائش کم ہونے لگی ہے۔ آبی ماہرین کے مطابق موجودہ ڈیموں کی گنجائش 4.2 ملین ایکڑ فٹ کم ہو گئی ہے اور اگر کسی نئے ڈیم کی تعمیر کا آغاز بھی کیا گیا تو اس کو مکمل ہونے میں کم از کم دس سے پندرہ سال لگ جائیں گے اور تب تک موجودہ ڈیموں کی کمی بڑھ کر 6.0 ملین ایکڑ فٹ ہو جائے گی۔ اگر بقول پنجاب کے، سسٹم میں موجود 102.75 ملین ایکڑ فٹ پانی سے یہ کمی کم کی جائے، تو سسٹم میں باقی پانی 96.75 ملین ایکڑ فٹ ہی بچ جائے گا اور 117.25 ملین ایکڑ فٹ پانی کی طلب پوری کرنے کیلئے 20.5 ملین ایکڑ فٹ کے ذخائر تعمیر کرنے ہوں گے، جو ناممکن بات لگتی ہے۔ کیا دریائے سندھ کے نظام میں اتنا پانی سمونے کی گنجائش ہے؟ چناب اور جہلم دریاؤں پر کسی بھی مقام پر کسی ڈیم بنانے کی کوئی جگہ / گنجائش نہیں ہے، صرف دریائے سندھ ہی وہ واحد دریا ہے جس پر چار مقامات ڈیم کی تعمیر کیلئے مناسب ہیں، جن میں کالاباغ، دیامیر بھاشا، اکھوڑی اور کٹزارا شامل ہیں۔ کٹزارا کی تعمیر سے اسکردو شہر اور ایئرپورٹ زیرِ آب آجائیں گے

جبکہ سیاچن کی جانب راستہ بھی منقطع ہو جائے گا۔ اکھوڑی دریائے سندھ کی طفیلی ندی ھاڑو پر واقع ہے اور اس پر کسی بڑے ڈیم کے تعمیر کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ کالاباغ ڈیم صوبوں کے درمیان اختلافی بن گیا ہے، باقی صرف بھاشا ڈیم کا مقام بچتا ہے جس پر 6.4 ملین ایکڑ فٹ کی گنجائش کا کوئی ڈیم تعمیر ہو سکتا ہے۔ آیئے اس بھاشا ڈیم کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

بھاشا ڈیم خیبر پختونخواہ اور گلگت بلتستان کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ چلاس سے چالیس کلومیٹر نیچے اور تربیلا سے 315 کلومیٹر اوپر ہے۔ بھاشا ڈیم کی تعمیر سے 6.4 ملین ایکڑ فٹ پانی کا نیا ذخیرہ تو میسر آجائے گا لیکن اس کے نتیجے میں کیا نقصانات ہوں گے، آیئے اس کا ایک جائزہ لیتے ہیں:

بھاشا ڈیم کی تعمیر سے شاہراہِ ریشم کی تقریباً 100 کلومیٹر اراضی زیرِ آب آجائے گی۔ بھاشا ڈیم کی جھیل بننے سے، اس علاقے میں بدھ مت سے تعلق رکھنے والے آثار اور مذہبی عبادت گاہیں زیرِ آب آجائیں گی۔ چونکہ یہ ڈیم زلزلے کی لپیٹ میں علاقے کے اندر تعمیر کیا جا رہا ہے اس لیے کسی بھی بڑے پیمانے کے زلزلے کے نتیجے میں انتہائی نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اگر ڈیم ٹوٹ گیا تو یہ اُس وقت کا ایک بڑا سانحہ سمجھا جائے گا۔ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں ایک چیئرمین اور آٹھ اراکین پر مشتمل ایک ٹیکنیکل کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ کمیٹی کی سات اراکین نے اس ڈیم کے خلاف اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ ان سات اراکین میں سے 2 کا تعلق پنجاب سے تھا جبکہ باقی اراکین میں بلوچستان سے دو، خیبر پختونخواہ سے دو اور سندھ سے ایک تھے۔ ان کی جانب سے ظاہر کیے گئے خدشات کے تفصیل کچھ اس طرح سے تھے:

1. یہ ایک انتہائی بلند رول کانکریٹ ڈیم ہو گا، جس کی بلندی بہت

زیادہ ہے۔ بھاشا ڈیم کو انہوں نے عفریت قرار دیا تھا۔

2. زلزلے کی زد میں علاقے میں اتنی زیادہ اونچائی پر ڈیم انتہائی خطرناک ہوگا، جس کے انتہائی نقصانات ہو سکتے ہیں۔
3. اس کی جھیل کی اراضی کی وجہ سے شاہراہ ریشم کا ایک بڑا حصہ زیرِ آب آجائے گا، جس کی وجہ سے یہ شاہراہ از سر نو تعمیر کرنی ہوگی جو کہ ایک انتہائی مشکل عمل ہوگا اور اس پر انتہائی اخراجات آئیں گے۔
4. وہاں پر پیدا ہونے والی بجلی کو صارفین تک لیجانا ایک انتہائی مہنگا عمل ہوگا جبکہ پہاڑوں میں سپلائی لائین کی تنصیب بھی ایک مشکل کام ہوگا۔

کیا بھاشا ڈیم سے سندھ کو اضافی پانی حاصل ہوگا؟

یہ عمومی تاثر دیا جارہا ہے کہ بھاشا ڈیم کا پانی 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 4 کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ اس شق کے تحت سندھ کو 37 فیصد پانی ملنا ہے۔ پنجاب کی جانب سے ماضی میں کی جانے والی وعدہ خلافیوں میں 1945ء کے معاہدے پر دستخط نہ کرنا، 1973ء میں چشمہ - جہلم لنک کینال کو ایک سیزن کے دوران تصرف میں لانے کیلئے کیے گئے عارضی معاہدے سے روگردانی شامل ہیں۔ موجودہ بداعتمادی کی فضا میں جب پنجاب چانکیہ نظریے پر عمل پیرا ہے، چانکیہ جو اپنے دور کا مکاولی تھا اور اس کے نظریہ کے مطابق پڑوسی ممالک کو دباؤ میں رکھا جائے اور ان کے ساتھ اندرونی طور پر خاموش لڑائی لڑی جائے اور ان کو سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہ کیا جائے۔ اب پنجاب جو معاہدے پر عمل درآمد کرنے کے بجائے نئے ذخائر

CS CamScanner

پر زور دے رہا ہے تو ایسی صورتحال میں اس کی ضمانت کون فراہم کرے گا کہ بھاشا ڈیم کی تعمیر کے بعد پنجاب 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 پر عمل درآمد کرے گا اور بھاشا ڈیم کا پانی شق نمبر 4 کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ اگر ہم فرض کریں کہ سندھ کے لوگ بھاشا ڈیم پر رضامند ہو جاتے ہیں اور مذکورہ ڈیم تعمیر بھی ہو جاتا ہے تب بھی اس بات کی کیا ضمانت ہو گی کہ ڈیم کے 6.4 ملین ایکڑ فٹ کا یہ نیا ذخیرہ پرانے ذخائر میں آنے والی کمی میں شامل نہیں کیا جائے گا اور یہ علیحدہ ذخیرہ اضافی پانی تسلیم کیا جائے گا۔ پنجاب کی ماضی میں خلاف ورزیوں میں 1945ء کے معاہدے پر دستخط نہ کرنا، 1973ء میں چشمہ۔ جہلم لنک کینال کے عارضی معاہدے سے مکر جانا اور حال ہی میں 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد نہ کرنا شامل ہیں۔ پنجاب کے نقطہ نظر کے لحاظ سے تو مزید 5 سے 11 ملین ایکڑ فٹ پانی کے نئے ذخائر تعمیر کیے جانے چاہئیں۔ اس صورتحال پر ایک پرانا قصہ یاد آیا ہے کہ ایک بگلے اور گیدڑ کی آپس میں دوستی تھی۔ بگلے نے گیدڑ کو ایک ضیافت پر مدعو کیا، جس میں خوراک ایک باریک صراحی میں رکھی گئی، جہاں سے بگلا اپنی لمبی چونچ کے ذریعے مزے سے کھاتا رہا جبکہ گیدڑ بگلے کی چونچ سے گرنے والی خوراک پر اکتفا کرتا رہا۔ ہمارے ساتھ بھی اس ڈیم کی تعمیر کے بعد یہی کچھ ہونا ہے۔

اردو کے ایک مشہور شاعر کے ایک مصرعہ ”سارے فسانے میں جس کا ذکر تک نہ تھا“ کے مصداق ہم انڈس ڈیلٹا کو تو مکمل طور پر بھول چکے ہیں۔ انڈس ڈیلٹا جو دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا ہے، اس میں 1960ء کے بعد پانی کی تنگی کے باعث تباہی کا دور دورہ ہے۔ سمندر ڈیلٹا کی تیس لاکھ ایکڑ زمین یا تو نگل چکا ہے یا یہ سمندری پانی کی زد میں ہے۔ حال ہی میں انڈس ڈیلٹا کی تباہی پر ورلڈ بینک کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس کی مطابق ڈیلٹا میں پانی کی آمد نہ ہونے کی وجہ سے ملک کو سالانہ

دو ارب ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سمندر 30 سے 50 کلومیٹر اندر آچکا ہے۔ جہاں تک اوسطاً 35 ملین ایکڑ فٹ سالانہ پانی سمندر میں شامل ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے گا تو 1975ء سے 2003ء تک سمندر میں داخل ہونے والے پانی کا نصف سے زائد پانی اس دوران غیر معمولی سیلاب کے دوران آیا ہے جبکہ انتہائی کم ترسیل کے سات برسوں کے دوران یہ فقط پانچ فیصد رہا ہے۔ محترم اے این جی عباسی کی ٹیکنیکل کمیٹی برائے آبی وسائل (TCWR) کے چیئرمین کے طور پر دی گئی رپورٹ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تربیلا کے بعد کے 28 برسوں میں 1975ء سے 2003ء تک فقط دس برس ہی قابلِ ذخیرہ اضافی پانی میسر رہا ہے۔

میں نے اپنی سندھی کتاب “سندھ پنجاب پانی مامرد” میں 2001ء سے 2018ء تک سمندر میں داخل کیے گئے پانی کے اعدادوشمار شامل کیے ہیں۔ اُن میں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے کہ 18 برسوں میں سے فقط چار سال انتہائی سیلابوں کے دوران نصف سے زیادہ پانی آیا ہے باقی 14 برسوں میں پانی 8 ملین ایکڑ فٹ سے بھی کم رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان 18 برسوں کے دوران فقط چار برس اضافی ذخیرے کے حامل پانی آیا ہے۔ مجموعی طور پر 46 برسوں میں سے فقط 14 ایسے برس ہیں جن میں ڈیم بھرنے کیلئے اضافی پانی میسر رہا ہے۔

بھاشا ڈیم کیلئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں سے کوئی نئی نہر نہیں نکالی جائے گی۔ انگریزی روزنامہ ڈان مورخہ 27 جولائی 2020ء کی ایک خبر کے مطابق اس ڈیم کی تعمیر سے 12 لاکھ نئی زمین زیرِ کاشت آئے گی۔ یہ زمین کس صوبے میں ہوگی اس کے کوئی بھی تفصیلات نہیں دیئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں اتنے بڑے پیمانے پر زیرِ کاشت آنے والی زمین کا نقصان بھی سندھ کو ہی اُٹھانا پڑے گا۔

بھاشا ڈیم ایک کثیر المقاصد ڈیم ہے، جس میں پانی ذخیرہ کرنے کے علاوہ 4500 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی بھی گنجائش ہوگی۔ 2013ء میں اس ڈیم پر آنے والی لاگت کا تخمینہ 14 ارب ڈالر لگایا گیا تھا جو کہ اب 20 ارب ڈالر سے زائد ہو سکتا ہے۔ اتنی کثیر رقم خرچ کرنے کے بعد، لازماً بجلی کی پیداوار کیلئے پانی کی کمیابی والے برسوں میں بھی پانی روکا جائے گا، جس سے سندھ اور انڈس ڈیلٹا متاثر ہوں گے۔ اس وقت جو تھوڑا بہت پانی سمندر تک پہنچ پا رہا ہے وہ بھی بند ہو جائے گا اور سمندر تیزی سے خشک علاقے کی جانب بڑھے گا۔ پاکستان جیسے غریب ملک میں اتنی بڑی رقم خرچ کر کے ایک غیر سود مند منصوبے پر عمل درآمد کرنے سے بہتر ہوگا کہ اٹارنی جنرل کی رپورٹ پر عمل درآمد کیا جائے، جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ صوبوں میں پانی کی تقسیم 117 ملین ایکڑ فٹ کے حساب سے کی جائے اس کا مطلب یہی ہے کہ معاہدے پر من و عن عمل کیا جائے۔ جہاں تک کم ہوتے ہوئے پانی کے ازالے کا تعلق ہے تو اس کیلئے دیگر ذرائع استعمال کیے جائیں، جن میں پانی کا از سر نو استعمال (Recycling)، نمکین پانی کو میٹھا کرنا (Desalinization)، تالابوں وغیرہ میں پانی جمع کرنا (Harvesting)، کاشت کاری کے نئے طریقے (Sprinkles & Drips) استعمال کرنا، کم پانی پر اُگائی جانے والی فصلیں کاشت کرنا، زمین کو ہموار کرنا، برانچز اور واٹر کورسز میں پانی کے ضیاع کو روکنا شامل تھا۔

ایک امریکی پروفیسر لارنس سی سمتھ اپنی کتاب Water Power میں لکھتے ہیں کہ آئندہ صدی کے دوران دنیا کے آٹھ بڑے دریا اپنے ڈیلٹائی (اختتام دریا) علاقے سے کٹ جائیں گے، جن میں دریائے سندھ کے علاوہ امریکہ کے تین دریا لاس اینجلس، کولوراڈو اور ریو گرانڈی دریا، دریائے اردن، چین کا پیلا دریا (Yellow River) اور جنوب مشرقی آسٹریلیا کے مری ڈارلنگ ڈیلٹا کے دو دریا

شامل ہیں۔ اس لیے دریائے سندھ کی بقا کیلئے ضروری ہے کہ اس پر کوئی نیا ڈیم تعمیر نہ کیا جائے اور اس کو بلا روک بہنے دیا جائے، بصورت دیگر دریائے سندھ مردہ دریا ہو جائے گا۔ جہاں تک بجلی کی کمی کا تعلق ہے، یہ دیگر طریقوں سے کم لاگت سے پوری ہو سکتی ہے، جس میں پن بجلی (Wind Light)، سورج کی روشنی (Solar Light) اور سمندری لہروں کے ذریعے بجلی پیدا کرنا شامل ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز امر ہے کہ برطانیہ میں پیدا ہونے والی بجلی کا 50 فیصد سولر بجلی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اگر گھر کا رکھوالا ایماندار ہو تو کوئی خدشہ لائق نہیں ہوتا، سو اگر حکومت چاہے تو اس مسئلے کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

(روزنامہ "سنڌ ایکسپریس"، 27 / جنوری اور یکم فروری 2021ء)

کیا ایک مزید ڈیم سندھ کیلئے سود مند ہوگا؟

انگریزی اخبار روزنامہ ڈان میں 9 فروری 2021ء کو شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق، حیدرآباد میں ذوالفقار ھالیپوٹو کی کتاب "سون ورن سندھو" کی تقریبِ رونمائی میں تقریر کرتے ہوئے عوامی جمہوری پارٹی کے ایک رہنما محترم ابرار قاضی کا کہنا تھا کہ ڈیموں کے ذخائر میں کمی واقع ہوئی ہے اور موجودہ ڈیموں میں گاد جمع ہوجانے کی وجہ سے سندھ میں ربیع کی فصل بچانے کیلئے ایک نیا ڈیم تعمیر کرنا ناگزیر ہوگیا ہے۔ اپنے صدارتی خطاب میں سندھ کی نامور مصنفہ محترمہ نورالہدیٰ شاہ نے پانی کے مسئلے کو پاکستان کے چھوٹے صوبوں کیلئے زندگی اور موت کا معاملہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے پانی کے مسئلے پر کوئی جدوجہد نہیں کی تو سندھ کی تباہی ہوجائے گی۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے سندھ کی تہذیب مکمل طور پر تباہ ہوجائے گی۔ یہ بالکل درست بات ہے کہ انسانی بقا کیلئے لازمی عناصر میں پانی ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں پروان چڑھنے والی تہذیبیں دریاؤں کے کناروں پر ہی پھلی پھولی ہیں۔ رگ وید دریائے سندھ کے کنارے پر لکھی گئی۔ دنیا کی تاریخ میں یہ بات انتہائی واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جب بھی دریاؤں نے اپنے رخ بدلے ہیں، زندگی سے جگمگاتے شہر اجڑ گئے ہیں اور بنجر اور غیر آباد علاقے آباد ہوگئے ہیں۔ تھر کے ریگستان کیلئے بھی

یہی کہا جاتا ہے کہ جب پران اور ہاکڑو دریا سوکھ گئے تو سرسبز علاقہ ریگستان بن گیا۔

آیئے، ابرار قاضی صاحب کی تجویز پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ دریائے سندھ پر ڈیم تعمیر کرنے کا منصوبہ انتہائی پرانا ہے۔ 1960ء کے سندھ طاس معاہدے کے بعد منگلا اور تربیلا ڈیم تعمیر کیے گئے، بالخصوص 1991ء کے معاہدے کے بعد پنجاب کی کوشش رہی ہے کہ دریائے سندھ پر ایک اور ڈیم تعمیر کیا جائے، جس کیلئے اولاً کالاباغ ڈیم کی بات کی گئی اور اس پر کروڑوں روپے خرچ کرکے اس کے کارگر ہونے سے متعلق ایک رپورٹ بھی تیار کرائی گئی۔ شاید یہ ڈیم بن جاتا لیکن سندھ کے قوم پرستوں اور ترقی پسندوں کی جدوجہد کی وجہ سے یہ معاملہ طول پکڑ گیا۔ کالاباغ ڈیم کے تابوت میں آخری کیل پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی نے لگائی، جب 1998ء میں پیپلز پارٹی نے سندھ اور پنجاب کی سرحد پر کموں شہید کے مقام پر اور عوامی نیشنل پارٹی نے خیبر پختونخواہ اور پنجاب کی سرحد پر اٹک پل پر دھرنے دیئے اور اس طرح یہ معاملہ ہمیشہ کیلئے دفن ہو گیا۔ سندھ سے پانی کے ایک نامور ماہر محترم محمد ادریس راجپوت، جو کالاباغ ڈیم کے مخالف تھے، بھی بھاشا ڈیم کی حمایت کر رہے ہیں۔ قاضی ابرار نے بھی بھاشا ڈیم کا نام لیے بغیر ایک نئے ڈیم کی تعمیر کی بات کی ہے۔ آیئے، اس بات کا کچھ تفصیل کا ساتھ جائزہ لیں۔

آبی ماہرین کے مطابق پاکستان میں صرف دریائے سندھ پر ہی کوئی نیا ڈیم تعمیر ہو سکتا ہی جبکہ اس کے لیے کٹزارا، بھاشا اور کالاباغ کے علاوہ دریائے سندھ کی طفیلی ہاڑو ندی پر اکھوڑی کے مقام کی تجویز دی جا رہی ہے۔ کالاباغ ڈیم سے دو نئی نہریں نکالنے کی وجہ سے یہ ڈیم اختلافی بن چکا ہے، باقی ماندہ تین مقامات میں سے چونکہ اکھوڑی ایک طفیلی ندی پر واقع ہے چنانچہ امکانی طور پر یہ مطلوبہ نتائج فراہم نہ کر سکے، باقی بھاشا اور کٹزارا بچتے ہیں۔ کٹزارا 28 ملین ایکڑ فٹ کا حامل ایک بڑا ڈیم بن

سکتا ہے لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ اسکے نتیجے میں اسکردو شہر اور بالخصوص ایئرپورٹ زیرِ آب آجائیں گے جبکہ سیاچن کی جانب جانے والا راستہ بھی ناپید ہو جائے گا۔ اس طرح باقی دیامیر بھاشا کا مقام ہی باقی بچتا ہے۔ 2003ء میں پاکستان کے آبی مسائل کے حل کیلئے ایک ٹیکنیکل کمیٹی محترم عبدالنبی عباسی (A.N.G. Abbasi) کی سربراہی میں تشکیل دی گئی تھی، اس کمیٹی میں ہر صوبے سے دو اراکین تھے۔ کمیٹی کے آٹھ میں سے سات اراکین نے بھاشا ڈیم پر ذیل درج خدشات کا اظہار کیا تھا:

1. زلزلوں سے متاثر علاقے میں اتنی اونچائی پر ڈیم تعمیر کرنا ایک خطرناک عمل ہے، جس کے نتیجے میں انتہائی نقصانات ہوسکتے ہیں۔
2. یہ ایک اونچائی کا حامل کنکریٹ ڈیم ہوگا، جس کی بنا پر اس کو عفریت سمجھنا چاہیئے۔
3. اس کی جھیل کی اراضی کے سبب شاہراہ ریشم کا ایک بڑا حصہ زیر آب آجائے گا، جس کی وجہ سے شاہراہ کا مذکورہ حصہ ازسر نو تعمیر کرنا ہوگا، جو کہ ایک انتہائی مشکل کام ہے اور اس پر انتہائی اخراجات آئیں گے۔
4. وہاں سے پیدا ہونے والی بجلی کو صارفین تک لے جانے پر بھی انتہائی اخراجات ہوں گے، جبکہ پہاڑوں سے لائن لیکر جانے کا کام انتہائی مشکل ہوگا۔

قاضی ابرار کے بیان کے مطابق ذخائر میں پانی کم ہو رہا ہے، اس لیے ایک نیا ذخیرہ تعمیر کیا جائے۔ قاضی صاحب کی بات کے پہلے حصے سے اتفاق کرتے ہوئے

CS CamScanner

میں انکے تجویز کردہ حل سے اختلاف کرتا ہوں۔ بھاشا ڈیم میں 6.4 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش بتائی جاتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اتنا پانی آئے گا کہاں سے؟ محترم اے این جی عباسی نے اپنی رپورٹ میں 1976ء سے 2002ء تک کوٹری سے نیچے آنے والے پانی کے اعداد و شمار دیئے ہیں اور ان کی چھان بین کے بعد انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس وقت کسی نئے ذخیرے کی تعمیر کیلئے سسٹم میں پانی میسر نہیں ہے۔ میں نے اپنی سندھی کتاب "سندھ - پنجاب پانی مامرو" میں 2002ء سے 2018ء تک سمندر میں داخل ہونے والے پانی کے تفصیل شامل کیے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان برسوں کے دوران سمندر میں داخل ہونے والے پانی کا بڑا حصہ فقط سیلابی برسوں میں آیا ہے بقیہ سالوں میں انتہائی کم پانی سمندر تک پہنچ پایا ہے۔ اگر کوئی ڈیم تعمیر کیا جاتا ہے اور اس میں پانی ذخیرہ کیا جاتا ہے تو انڈس ڈیلٹا جو پہلے ہی تباہی کے دہانے پر ہے، انتہائی تیزی کے ساتھ تباہ ہو جائے گا اور سمندر بلا روک ٹوک اپنی یلغار کرے گا۔ اس خطرناک صورتحال سے متعلق، موجودہ سندھ حکومت کے ایک وزیر کا اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے، سینیٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے اوشینوگرافی کی ایک رپورٹ کے حوالے سے کہنا تھا کہ اگر کوٹری کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو 2050ء میں ٹھٹہ اور سجاول کے اضلاع جبکہ 2060ء میں کراچی سمندر برد ہو جائیں گے۔ حال ہی میں ورلڈ بینک کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ کوٹری سے آگے پانی کے نہ پہنچنے پر ملک کو سالانہ دو ارب ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔

ذخائر میں آنے والی کمی کے ازالے کیلئے دیگر ذرائع استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اہم ترین ذریعہ برساتی پانی جمع کرنا اور اس کو استعمال کرنا ہے، جس کو انگریزی میں Harvesting کہا جاتا ہے۔ ہمارے پڑوسی ممالک بھارت اور

چین اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ہم ان ممالک کے مقابلے میں اس ذریعہ کو نہ ہونے کے برابر استعمال کرتے ہیں۔ دیگر طریقوں سے بھی پانی کی کمی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، جن میں پانی کا از سرِ نو استعمال، نمکین پانی کو میٹھا کرنا، کاشت کاری کیلئے نئے طریقے جن میں استعمال کرنا جن میں Sprinkle اور Drip شامل ہیں، کم پانی پر ہونے والی فصلیں کاشت کرنا اور برانچز اور واٹر کورسز میں پانی کے ضاع کو روکنے کے اقدامات کرنا، جن میں نہروں اور نالوں کو پختہ کرنا بھی شامل ہے۔ اس ضمن میں 9 فروری 2021ء کو انگریزی روزنامہ ڈان کے اداریے کا حوالہ دینا مناسب سمجھتا ہوں، جس میں پانی کو کفایت کے ساتھ استعمال کرنے کی بات کی گئی ہے۔

آخر میں محترمہ نورالھدیٰ شاہ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ ہمیں اپنی بقا کیلئے ہندستان میں نربدا ندی پر ڈیموں کے خلاف چلائی گئی تحریک جیسی کوئی تحریک شروع کرنا ہوگی، ورنہ سندھ آنے والی تاریخ میں یادِ ماضی ہو جائے گی۔

(روزنامہ ”پنھنجي اخبار“ 25ر فروری 2021ء)

دریاؤں کا عالمی دن

14 مارچ کو دنیا بھر میں دریاؤں کا عالمی دن منایا جارہا ہے۔ 1997ء سے یہ دن ڈیم مخالف تحریک کی جانب سے منایا جاتا ہے۔ یہ دن منانے کا مقصد عوام میں دریاؤں کے پانی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے علاوہ دریائی پانی کو انسانی صحت کیلئے کارآمد برقرار رکھنے کیلئے دریاؤں کو آلودگی سے بچانے کے اقدامات کرنا بھی ہے۔ یہ دن منانے کا ایک اور اہم سبب بڑے ڈیموں کی تعمیر کی وجہ سے ہونے والے نقصانات سے عوام الناس کو آگاہ کرنا اور دریاؤں کیلئے انسانی حقوق جیسے حقوق مختص کرنا بھی ہے۔ اگر نصف صدی قبل کے دریائے سندھ اور اس میں پانی کے بہاؤ پر ایک نظر ڈالی جائے تو ہمیں احساس ہو گا کہ دریائی پانی کے ساتھ آنے والی گاد اور دیگر نباتات زمین کو زرخیز بناتی تھیں۔ جب سے ملک میں صنعتی ترقی ہونا شروع ہوئی ہے اور انسانی آبادی میں تیزی سے اضافے کے ساتھ بڑے شہروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، صنعتی علاقوں اور بڑے شہروں کا کوڑا کرکٹ مختلف مقامات پر دریائے سندھ میں ڈالا جارہا ہے، جس کی وجہ سے دو عشرے قبل، کوٹری بیراج اور اس سے نکلنے والی نہروں کا پانی استعمال کرنے پر کئی انسانی جانیں ضائع ہوگئی تھیں۔ اس کا واحد سبب دریائے سندھ میں پانی کے بہاؤ میں کمی واقع ہونا ہے۔ آیئے، ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں کہ نصف صدی قبل دریائے سندھ میں پانی کی مقدار کیا تھی اور

موجودہ وقت میں اس کی کیا صورتحال ہے۔

1931ء سے 1947ء کے دوران دریائے سندھ اوسطاً 73 ملین ایکڑ فٹ پانی کے ساتھ 225 ملین ٹن گاد کے ساتھ سمندر میں گرتا رہا۔ 1948ء سے 1961ء کے دوران پانی کی مقدار تو وہی رہی لیکن دریائے سندھ کے اوپری حصے پر بیراج کی تعمیر کی وجہ سے گاد کی مقدار کم ہو کر 100 ملین ٹن رہ گئی۔ 1960ء میں سندھ طاس معاہدے کے بعد دریائے سندھ میں آنے والے پانی اور گاد کی مقدار مزید کم ہوگئی اور موجودہ وقت میں کوٹری بیراج سے نیچے پانی اوسطاً سالانہ نوے روز ہی پہنچ پاتا ہے جبکہ باقی پورا سال دریا کے پاٹ پر دھول اڑتی رہتی ہے۔ جس سال بڑا سیلاب آتا ہے، اس سال پانی نوے روز سے بڑھ جاتا ہے۔ دریائے سندھ کے پانی کا مسئلہ صرف زراعت اور پانی کی تقسیم تک محدود نہیں رہا ہے، بلکہ خود دریا کے وجود، ماحولیاتی ایکو سسٹم اور ڈیلٹا کا سوال ہو گیا ہے۔ دریا میں پانی کی کمی کی وجہ سے جنگلات ختم ہو رہے ہیں، جس کی وجہ سے ماحولیات کی تباہی کے ساتھ دریا کا ایکو سسٹم متاثر ہو رہا ہے، بالخصوص دریائے سندھ کے ڈیلٹا کا علاقہ تباہ ہو رہا ہے۔ آبی ماہرین کے اندازے کے مطابق ڈیلٹا میں پانی کے نہ پہنچنے کی وجہ سے ساحلی پٹی کی 195 ایکڑ زمین روزانہ سمندر برد ہو جاتی ہے یا سمندری پانی کے زیرِ اثر آجاتی ہے۔ اس علاقے میں پانی نہ آنے کی وجہ سے تمر کے جنگلات میں بھی کمی واقع ہوئی ہی، جو کہ ساحلی پٹی کو طوفانی لہروں سے بچانے کا کام کرتے ہیں، جبکہ ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے سمندر ساحلی زمین برد کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ آبی ماہرین کے مطابق اگر ڈیلٹا میں پانی کی آمد میں اضافہ نہیں ہوا تو 2060ء تک کراچی، ٹھٹہ اور سجاول کے اضلاع سمندر برد ہو جائیں گے۔ حال ہی میں ورلڈ بینک کی شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق انڈس ڈیلٹا میں پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے حکومتِ پاکستان کو سالانہ دو

ارب ڈالر کا نقصان ہوتا ہے۔ اس مالی خسارے کے علاوہ ڈیلٹا سے نقل مکانی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بڑے شہروں پر بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے روزگار اور سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان تمام مسائل کا حل یہی ہے کہ انڈس ڈیلٹا کے علاقے بالخصوص، رہائشی علاقوں کو سہولیات فراہم کی جائیں تاکہ وہ دریا میں پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیروزگاری کے سبب شہروں کا رخ نہ کریں۔

دریاؤں کے عالمی دن کے موقعہ پر دریائے سندھ کو درپیش خطرات اور مشکلات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ واپڈا نے اپنے ویژن 2025ء میں دریائے سندھ پر پانچ بڑے ڈیم تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جن میں کالاباغ، بھاشا، اسکردو، منڈا اور اکھوڑی ڈیم شامل ہیں۔ کسی بھی بڑے ڈیم کی تعمیر کیلئے سب سے اہم عنصر وافر مقدار میں پانی کی فراہمی ہے جبکہ اس کے بعد اس پر آنے والے اخراجات کا معاملہ آتا ہے۔ کیا ہمارے پاس دونوں چیزیں ہیں؟ جہاں تک رقم کا تعلق ہے تو دنیا میں بڑے ڈیموں کی مافیائیں اور بین الاقوامی سرمایہ کار اپنی مفادات اور اپنی من پسند شرائط کے تحت شاید مطلوبہ رقم فراہم کردیں۔ لیکن جہاں تک وافر مقدار میں پانی کی فراہمی کا تعلق ہے تو وہ سسٹم سے ہی مل سکتا ہے اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ بازار سے خریدی جاسکے۔ پانی سے متعلق دو آرا نہیں۔ پنجاب کے مطابق دریائے سندھ میں وافر پانی موجود ہے جو ہر سال سمندر میں ضائع ہوجاتا ہے۔ دوسری رائے حکومت سندھ اور سندھ کے باشندوں کی ہے، جو کہ پنجاب سے قطعی مختلف ہے۔ پنجاب حکومتِ سندھ اور سندھیوں کو ترقی کا مخالف اور ہر بات کو منفی انداز میں دیکھنے والا سمجھتا ہے۔ درحقیقت سندھ کے لوگ ہر بات کی خواہ مخواہ مخالفت کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ ان کے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے اہم ثبوت اور اعداد و شمار موجود ہیں۔ اس ضمن میں مشرف دورِ حکومت میں پانی کے تنازعات کے حل کیلئے قائم کی گئی "تکنیکی کمیٹی" کی رپورٹ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، جس میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ملک

میں کسی بھی نئے بڑے ڈیم کیلئے مطلوبہ پانی میسر نہیں ہے۔ دریائے سندھ کے پانی پر ڈاکہ مارنے کیلئے پنجاب نے ایک نئی سازش گھڑی ہے، جس کے تحت تین مشرقی دریاؤں کے ہندستان کو فروخت کرنے اور اس عمل سے دریاؤں کی نچلی سمت کے علاقوں پر پڑنے والے منفی اثرات کا جائزہ لینے کیلئے ایک تحقیقی مطالعہ کرانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، تاکہ دریائے سندھ سے نئے لنک کینال نکال کر ان علاقوں تک پانی پہنچا کر، منفی اثرات کا ازالہ کیا جائے۔

یہ بین الاقوامی طور پر ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اپنی ابتدائی مقام سے کسی سمندر یا جھیل میں اختتام پذیر ہونے والے دریا کو زندہ دریا سمجھا جاتا ہے لیکن اپنے اختتامی مقام سے کٹ جانے والے دریا کو مردہ دریا کہا جاتا ہے۔ اگر پنجاب اپنے مندرجہ بالا مقصد میں کامیاب ہو گیا تو دریائے سندھ بھی مردہ دریاؤں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ اس بات کے ثبوت کے طور پر ایک امریکی پروفیسر لارنس سی سمتھ کی کتاب Water Power کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ آئندہ صدی کے دوران آٹھ بڑے دریا اپنے اختتامی علاقے سے کٹ جائیں گے، جن میں دریائے سندھ بھی شامل ہے۔

دریاؤں کے عالمی دن پر سندھیوں کا یہ مطالبہ باجواز ہے کہ دریائے سندھ پر کوئی نیا ڈیم یا بیراج تعمیر نہ کیا جائے اور اس کے بہاؤ کو آزادانہ طور پر سمندر تک جانے دیا جائے۔ دریائے سندھ کو بنیادی انسانی حقوق جیسے حق دیئے جائیں۔ صنعتی علاقوں اور بڑے / چھوٹے شہروں کی نکاس کا پانی دریائے سندھ میں داخل کرنے کیلئے صحتِ عامہ کے تسلیم شدہ بین الاقوامی اصولوں پر عمل درآمد کیا جائے۔ انڈس ڈیلٹا کو زندہ رکھنے کیلئے بین الاقوامی ماہرین کی جانب سے تجویز کردہ سفارشات کے مطابق پانی دیا جائے۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار" 14 / مارچ 2021ء)

کوٹری بیراج سے نیچے پانی کی ضروری فراہمی

انگریزی روزنامہ ڈان کراچی میں 13 فروری 2021ء کو شائع شدہ ایک خبر کے مطابق ورلڈ بینک کے آبی وسائل اور امور کے ماہر فرانکوس اور نیمس کی سربراہی میں سکھر اور گڈو بیراج کی ترقی و ترویج کے جاری کاموں کا جائزہ لینے کیلئے ہونے والے ایک اجلاس میں حکومتِ سندھ اور پاکستان پر زور دیا گیا ہے کہ ماحولیاتی فضا برقرار رکھنے کی غرض سے کوٹری سے نیچے ضروری ماحولیاتی بہاؤ برقرار رکھا جائے۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ بہاؤ کسی بھی صورت نقطہ صفر کو نہیں پہنچنا چاہئے۔

کوٹری سے سمندر تک، جہاں دریائے سندھ اختتام پذیر ہوتا ہے، کل فاصلہ 160 کلومیٹر ہے اور اس پورے راستے میں دریا کے دونوں کناروں پر پشتے ہیں۔ دونوں پشتوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً پانچ کلومیٹر ہے۔ کوٹری سے سمندر تک کُل 271,000 ایکڑ زمین ہے، جس میں سے 188,092 ایکڑ جنگلات اور 95,000 ایکڑ زرعی زمین ہے۔ پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے جنگلات ختم ہوگئے ہیں۔

وفد کے سربراہ نے ماحولیاتی بہاؤ کیلئے “بنیادی یا اشد ضروری” (Essential) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کوٹری سے نیچے پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے جہاں ماحولیاتی فضا خراب ہوتی ہے، وہیں سمندر پیش قدمی بھی کرتا ہے، جس کیلئے انگریزی میں Sea Intrusion کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ان دونوں

آفات کا مقابلہ کرنے کیلئے 1991ء کے آبی معاہدے میں سندھ نے 10 ملین ایکڑ فٹ پانی کا مطالبہ کیا تھا، جبکہ دیگر سماجی اور نجی اداروں کے مطالعات کے مطابق یہ ضرورت 27 سے 35 ملین ایکڑ فٹ تک ہے۔ 1991ء کے معاہدے کے مطابق مرکزی حکومت کی جانب سے غیر ملکی ماہرین سے کرائے گئے مطالعے میں یہ مقدار 5000 کیوسک پورا سال اور 25 ملین ایکڑ فٹ ہر پانچویں سال تجویز کی گئی ہے۔ ماحولیاتی بہاؤ سے متعلق World Commission on Dams نے 2000ء میں جاری کردہ اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ دنیا کے 29 ممالک ماحولیاتی بہاؤ دریاؤں میں چھوڑتے ہیں، جبکہ بارہ ممالک ہر سال پانی جاری کرنے سے متعلق سوچ رہے تھے۔ اسپین اس مقصد کیلئے پانی کا دس فیصد اور آسٹریلیا Snowy دریا پر یہ مقدار 21 فیصد جبکہ آگے چل کر 27 فیصد کرنے کو تیار ہے۔ مندرجہ بالا حوالے سے ماحولیاتی بہاؤ/اخراج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے ہاں اسکو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

میں نے اپنی سندھی کتاب "سند پنجاب پانی مامرو" میں 2001ء سے 2019ء تک کوٹری سے آگے فراہم کیے جانے والے پانی کے ماہانہ تفصیل دیئے ہیں۔ ان سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ فقط بڑے سیلابوں اور جولائی، اگست اور ستمبر کے مہینوں میں یہ پانی کوٹری بیراج سے آگے جاتا ہے، باقی ایام میں پانی نہ ہونے کے برابر اور بالخصوص ربیع کے موسم میں تو صفر ہو جاتا ہے۔

انڈس ڈیلٹا جو دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا ہے، اس کی کل اراضی چھ لاکھ ایکٹر تھی، جس کا تیسرا حصہ تمر کے جنگلات پر مشتمل تھا، جو کہ اب دو لاکھ ہیکٹر سے بھی کم رہ گئے ہیں۔ کسی دور میں دریائے سندھ سترہ مختلف کھاڑیوں کے ذریعے ڈیلٹا کے علاقے میں داخل ہوتا تھا، جن میں سے اس وقت دو کھاڑیاں ہی باقی بچی ہیں۔

1960ء اور بالخصوص 1991ء کے بعد پانی نہ آنے کی وجہ سے نہ صرف جنگلی جانداروں کی آبادی میں کمی واقع ہوئی بلکہ تمر کے جنگلات میں کمی آئی جس کی وجہ سے سمندری طوفان سے دفاع کی صلاحیت بھی کم ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں محترم سکندر بروہی اپنی کتاب "انڈس ڈیلٹا کی تباہی اور مقامی آبادی پر اس کے اثرات" میں ڈیلٹا میں پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے مرتب ہونے والے اثرات کا کچھ اس طرح سے ذکر کرتے ہیں:

1. 66 فیصد لوگ غربت کی لکیر کے نیچے چلے گئے ہیں۔
2. مال مویشی 50 فیصد کم ہو گیا ہے۔
3. سمندر 12,30,360 ایکڑ اراضی نگل چکا ہے۔
4. 120 گاؤں زیرِ آب آ چکے ہیں۔
5. 90 ہزار لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔
6. سال 1993ء میں 3,48,688 میٹرک ٹن مچھلی شکار ہوتی تھی جو کہ سال 2000ء میں کم ہو کر 64,400 میٹرک ٹن رہ گئی ہے۔
7. 1990ء سے 1997ء تک کے عرصے کے دوران تمر کے جنگلات میں چالیس فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔

بروہی صاحب نے سال 2000ء تک ہونے والے اثرات کا ذکر کیا ہے جبکہ اس وقت صورتحال مزید ابتر ہو گئی ہے۔ محترم محمد ادریس راجپوت اپنی کتاب "پانی منجھ پساہ" کے صفحہ نمبر 296 پر ٹھٹہ، سجاول اور بدین کے اضلاع میں سمندری پانی کا شکار ہونے والی زمین کی اراضی 20 لاکھ ایکڑ اور میٹھے پانی کی عدم فراہمی کی وجہ سے ان اضلاع کے متاثرہ افراد کی تعداد 5 لاکھ بتاتے ہیں۔ اس ضمن میں ورلڈ بینک کی ایک حالیہ رپورٹ کا حوالہ دینا مناسب سمجھتا ہوں، جس میں کہا گیا ہے کہ انڈس

ڈیلٹا کی تباہی کی وجہ سے پاکستان کو ہر سال دو ارب ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔

انڈس ڈیلٹا کی تباہی پر دنیا نالاں و پریشان ہے لیکن ہم خاموش تماشائی بنے یہ تباہی دیکھ رہے ہیں اور اس کیلئے کوئی حکمت عملی تیار نہیں کر رہے ہیں۔ یہ ایک انتہائی اہم اور گنبھیر مسئلہ ہے، جس پر ملک کے حکمرانوں، سیاسی جماعتوں اور عوام الناس کو توجہ دینی چاہئے ورنہ ایسا نہ ہو کہ ہمیں کہنا پڑ جائے،

نہ ہو ایسا کہ پڑھا جائے کتابوں میں
کہ تھی کبھی سندھ اور سندھ والوں کی زبان

(روزنامہ "پنھنجي اخبار"، 16/مارچ 2021ء)

پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم

ایک اخباری خبر کے مطابق 12 اپریل 2021ء کو قومی اسمبلی کی کمیٹی برائے آبی وسائل کا ایک اجلاس رکنِ قومی اسمبلی محمد یوسف تالپور کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے دوران سندھ میں پانی کی کمی کے معاملے پر غور و خوص کیا گیا اور ذیل درج فیصلے کیے گئے:

1. پانی کی تقسیم غلط انداز میں ہو رہی ہے، جس کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔ کمیٹی سہ رخی فارمولے کو مسترد کرتی ہے۔
2. واپڈا کی جانب سے سندھ بیراج کا منصوبہ سندھ کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس سے متعلق واپڈا کو سندھ حکومت کا موقف تسلیم کرنا چاہیے۔

کمیٹی کی جانب سے آئندہ اجلاس میں اٹارنی جنرل کو بھی طلب کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس نے کچھ عرصہ قبل حکومت کی جانب سے پانی کی تقسیم سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کے احکامات کے بعد اپنی رپورٹ میں 1991ء کے معاہدے کے تحت پانی کی تقسیم پر زور دیا تھا۔ حکومتِ پنجاب نے اٹارنی جنرل کی رپورٹ پر عمل درآمد کرنے سے انکار کرتے ہوئے پانی کی تقسیم سہ رخی فارمولے کے تحت کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر سندھ کو اس پر کوئی اعتراض ہے تو وہ یہ معاملہ

مشترکہ مفادات کونسل کے سامنے لے جائے۔ آیئے، نظر ڈالتے ہیں کہ سہ رخی فارمولہ کیا ہے اور پنجاب کی جانب سے اس پر زور کیوں ڈالا جارہا ہے؟

سہ رخی فارمولہ ذیل درج تین مراحل پر مشتمل ہے:

پہلا مرحلہ: اگر پانی تربیلا ڈیم کی تعمیر کے پانچ سال بعد لیے گئے پانی سے کم ہو تو تقسیم شق 14 (b) کے تحت ہو گی۔

دوسرا مرحلہ: اگر پانی تربیلا ڈیم کی تعمیر کے بعد پانچ سال تک لیے گئے پانی سے زیادہ ہو اور معاہدے کی شق 2 سے کم ہو تو تقسیم دو طریقوں سے کی جائے گی۔

5 سالوں میں اوسطاً لیے گئے پانی کی تقسیم معاہدے کی شق 14 (b) کے تحت کی جائے گی، اس سے زیادہ پانی کی دستیابی کی صورت میں تقسیم معاہدے کی شق 2 کے تحت ہو گی۔

تیسرا مرحلہ: اگر پانی کی دستیابی معاہدے میں دیئے گئے اعداد و شمار سے زیادہ ہو تو تقسیم معاہدے میں شامل اعداد و شمار تک شق نمبر 2 کے مطابق ہو گی اور اس سے زیادہ ہونے کی صورت میں شق 4 کے تحت ہو گی۔

1991ء کے معاہدے میں ایسے کسی بھی سہ رخی فارمولے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ درحقیقت سہ رخی فارمولے کے مطابق تربیلا ڈیم کی تعمیر کے پانچ سال بعد لیے گئے پانی کے مطابق پنجاب کا پانی کا موجودہ حصہ خریف میں 53 فیصد اور ربیع میں 56 فیصد ہوتا ہے، جبکہ 1991ء کے معاہدے کے مطابق یہ حصہ بالترتیب 48 فیصد اور 51 فیصد ہوتا ہے۔ یہ پنجاب کی فیل مستی ہے کہ وہ 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے تیار نہیں ہے۔ سننے میں آرہا ہے کہ حکومت سندھ کی جانب سے یہ معاملہ مشترکہ مفادات کی کونسل کو بھیجا گیا ہے لیکن وہاں کسی فوری فیصلے کی توقع نہیں ہے، کیونکہ مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس اکثر ملتوی ہوتے رہتے ہیں۔

ایک لوک کہاوت ہے کہ جب تک بھرے پیٹ والا ڈکاریں لیتا رہے گا، تب تک بھوکے کا دم ہی نکل جائے گا۔ یہی حال اس کونسل کا ہے۔

ایک جانب پنجاب 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے تیار نہیں ہے تو دوسری جانب دریائے سندھ پر نئے ڈیم تعمیر کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔ 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد نہ کرنا اور سندھ میں پانی کی مصنوعی کمی، ایسے دو حربے ہیں جن سے پنجاب یہ سمجھتا ہے کہ سندھ مجبوراً دریائے سندھ پر نئے ڈیمز کی تعمیر کیلئے تیار ہو جائے گا۔ سندھ کو پانی کا حصہ چشمہ بیراج سے دیا جاتا ہے۔ گذشتہ برسوں کے دوران پانی کے بہاؤ/ آمد کے اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات عالم آشکار ہو جاتی ہے کہ چشمہ بیراج کی اوپری جانب پانی کا ضیاع کم ہوتا ہے، جبکہ چشمہ سے گڈو بیراج تک پانی کا ضیاع زیادہ ہوتا ہے۔ یہ مصنوعی کمی ہے، جس کے سدباب کیلئے ضروری ہے کہ نہروں پر ٹیلی میٹر نظام نصب کیا جائے۔

دنیا بھر میں سالانہ چار موسم ہوتے ہیں لیکن ہمارے ہاں سال میں پانچ موسمیں ہیں اور یہ پانچواں موسم ڈیم کا ہے۔ جس طرح پرانے زمانے میں گرام فون ریکارڈ کی اگر سوئی کسی ایک جگہ پھنس جاتی تھی تو پھر وہی آواز بار بار سننے کو ملتی تھی، اسی طرح ہمارے ہاں پہلے یہ سوئی کالاباغ ڈیم پر اور اب بھاشا ڈیم پر پھنسی ہوئی ہے۔ بھاشا ڈیم سے متعلق روزنامہ ”پنھنجی اخبار“ میں شائع ہونے والی اپنے ایک مضمون میں اعداد و شمار سے یہ ثابت کرچکا ہوں کہ دریائے سندھ میں اتنا اضافی پانی ہے ہی نہیں کہ کوئی نیا ڈیم بن سکے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ بھاشا ڈیم سندھ کیلئے ایک بلیک وارنٹ ہو گا۔ بھاشا ڈیم کے حق میں ایک ہی دلیل دی جاتی ہے کہ تربیلا ڈیم میں ریت کی مقدار بڑھ جانے سے سندھ کے حصے کا پانی کم ہو رہا ہے اور ابتدائی خریف اور ربیع میں سندھ کو کم پانی ملنے کی وجہ سے سندھ کی زرعی پیداوار کم ہو جائے گی۔ سندھ میں

ابتدائی خریف میں اگائی جانے والی اہم فصل کپاس ہے جو زیادہ تر روہڑی کینال اور نارا کینال کے ذریعے خیرپور، نوابشاہ، سانگھڑ، مٹیاری، ٹنڈوالہ یار اور میرپور خاص کے اضلاع میں بوئی جاتی ہے۔ کپاس کی فصل کو سندھ میں وہی اہمیت حاصل ہے جو کہ بنگلادیش میں پٹ سن (Jute) کو حاصل ہے۔ ابتدائی خریف میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے یہ فصل متاثر ہوگی، جس کی وجہ سے حکومتِ سندھ کی آمدنی میں کمی واقع ہوگی، نتیجتاً نہ صرف مذکورہ اضلاع بلکہ پورا سندھ متاثر ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ پنجاب میں فصل کا موسم، سندھ کی بوائی کے دنوں سے ایک مہینہ پیچھے ہے۔ اس لیے پانی کی کمی کا مکمل بوجھ سندھ پر ہی ہوگا۔ زرعی پیداوار میں کمی کا مطلب سندھ کی غربت میں اضافہ ہے۔ جب تربیلا ڈیم بنایا جارہا تھا تو اس وقت کے صدرِ مملکت ایوب خان نے کہا تھا کہ ہم تربیلا ڈیم سندھ کیلئے تعمیر کر رہے ہیں، لیکن جب تربیلا ڈیم بن گیا تو اس کے پانی کا بڑا حصہ پنجاب کو منتقل ہوا۔ تونسہ-پنجند لنک اور چشمہ-جہلم لنک کینال جو صرف سیلاب کے پانی کیلئے بنائے گئے تھے، ہر وقت دریائے سندھ کا پانی لیکر پنجاب کی زمینیں آباد کر رہے ہیں۔ چشمہ-جہلم لنک کینال 1973ء میں ہونے والے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جاری کیا جاتا ہے۔ 1991ء کے معاہدے میں شامل دس روزہ بنیادوں پر صوبوں کی نہروں کے پانی کی تقسیم میں یہ دونوں لنک کینال پنجاب کی نہروں میں شامل نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ غیر قانونی طور پر چلائے جارہے ہیں۔

پنجاب نے منگلا ڈیم میں ریت بھر جانے کی وجہ سے ہونے والی کمی کا ازالہ ڈیم کی اونچائی میں اضافے سے کرلیا ہے اور اب پنجاب منگلا ڈیم سے سندھ کو پانی دینے کو تیار نہیں، حالانکہ 1960ء کے سندھ طاس معاہدے اور 1991ء کے پانی تقسیم معاہدے کے تحت پانی کے یہ ذخائر، قومی پانی کے ذخائر ہیں اور ان پر تمام

صوبوں کا یکساں حق ہے۔

دوسری جانب تربیلا ڈیم میں گاد کے بھر جانے کا حل تلاش کرنے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ تربیلا میں آنے والی کمی کو سندھ کے حصے کی جانب منتقل کیا جا رہا ہے جبکہ باقی تینوں صوبے اس کمی سے آزاد ہو گئے ہیں۔ کیا پانی کی کمی صرف سندھ کا مقدر ہے؟

سندھی میں ایک کہاوت ہے کہ اگر کسی کے بچوں پر بن آئے گی تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ اس لیے سندھیوں کو پاگل نہ کیا جائے۔ ملک میں امن و امان اور بھائی چارے کی فضا میں رہنے کیلئے ضروری ہے کہ سندھ کے پانی کا مسئلہ 1991ء کے معاہدے کے تحت حل کیا جائے، جس کی شق نمبر 14 میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ کمی یا زیادتی پورے پاکستان کی بنیاد پر تقسیم کی جائے گی، اس لیے تربیلا میں گاد کی زیادتی کی وجہ سے ہونے والی پانی کی کمی پاکستان بھر کی بنیاد پر 1991ء کے معاہدے کے مطابق تقسیم کی جائے۔ سندھ کو بھی مستقبل میں پیش آنے والی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے سائنسی بنیادوں پر کوئی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار"، 27 اپریل، 2021ء)

بھاشا ڈیم کے نقصانات

آج کل اخبارات میں بھاشا ڈیم کی حمایت اور مخالفت میں ایک بحث جاری ہے۔ میں ڈیم مخالف فریق کے ساتھ ہوں۔ اس سے قبل میرے مضامین ”چھاھک وذھیک ڈیم سندھ لاء ضروری آھے“۔ بھاشا ڈیم سندھ لاء خوشحالی یا بلیک وارنٹ“ اور ”پانی کھوٹ ائیں بھاشا ڈیم“ کے عنوان سے سندھی روزنامہ ”پنھنجی اخبار“ میں شائع ہو چکے ہیں۔ بھاشا ڈیم کی حمایت میں یہ دلیل دی جارہی ہے کہ تربیلا ڈیم میں گاد کے اضافے کی وجہ سے پانی کی کمی میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کمی کے سندھ پر اثرات مرتب ہوں گے، اس لیے دیامیر بھاشا ڈیم کی تعمیر ناگزیر ہے، تاکہ مستقبل میں پانی کی کمی سے نبرد آزما ہوا جاسکے۔

کیا دریائے سندھ کی سسٹم میں اتنا پانی میسر ہے کہ ایک نیا ڈیم تعمیر کیا جائے؟ یہ نکتہ 2003ء میں جنرل مشرف کے دور میں تشکیل دی جانے والی آبی وسائل سے متعلق تکنیکی کمیٹی کے اغراض و مقاصد میں شامل تھا۔ کمیٹی کے سربراہ محترم اے این جی عباسی صاحب نے اس پر بحث کرتے ہوئے رپورٹ میں تحریر کیا تھا کہ اگر کالاباغ ڈیم یا بھاشا ڈیم تعمیر کیا گیا تو یہ ہر سال بھرے نہیں جاسکیں گے اور نہ ہی یہ ہر سال مطلوبہ 6 سے 7 ملین ایکڑ فٹ پانی فراہم کر سکیں گے۔ یہ سالانہ فقط دو ملین ایکڑ فٹ پانی ہی مہیا کر سکتے ہیں۔ عباسی صاحب نے ہر سال اوسطاً منفی 0.25

اضافی پانی بتایا ہے۔ اس چارٹ میں وہ کوٹری سے آگے ڈیلٹا کیلئے 10 ملین ایکڑ فٹ پانی بھی شامل کرتے ہیں۔ بین الاقوامی ماہرین نے یہ مقدار 8.6 ملین ایکڑ فٹ تجویز کی ہے۔ اگر بین الاقوامی ماہرین کے اعداد و شمار سامنے رکھے جائیں تب بھی ہمارے پاس اضافی پانی 1.15 ملین ایکڑ فٹ بنتا ہے، جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر یہ ڈیم بنایا جاتا ہے تو یہ صرف سیلابی برسوں میں بھرا جاسکے گا۔ اس نقطے کو واضح کرتے ہوئے عباسی صاحب نے بتایا ہے کہ اگر 6.0 ملین ایکڑ فٹ پانی کے دو ڈیم بنائے جائیں تو ان میں سے ایک 28 برسوں میں سے دس سال مکمل جبکہ سات سال جزوی جبکہ دوسرا ڈیم 28 برسوں میں سے سات سال مکمل اور سات سال جزوی طور پر بھرا جاسکے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نئے ڈیم کی تعمیر کیلئے اضافی پانی موجود نہیں ہے۔

بھاشا ڈیم کی حمایت میں دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس سے کوئی نئی نہر نہیں نکالی جاسکے گی۔ اس مرحلے پر وزیراعظم کے سابق معاونِ خصوصی ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ کے 16 جولائی 2020ء کو روزنامہ ڈان میں شائع ہونے والے اُس بیان کا حوالہ دینا چاہوں گا، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ بھاشا ڈیم کی تعمیر سے بارہ لاکھ ایکڑ سے زائد نئی زمین قابلِ کاشت ہوگی۔ یہ زمین کس صوبے میں ہوگی؟ کیا بھاشا ڈیم کا پانی گریٹر تھل کینال میں لیکر پنجاب کی بارہ لاکھ ایکڑ زمین سیراب کی جائے گی؟ کیا یہ وہ زمین ہے جس کو سیراب کرنے کیلئے کالا باغ ڈیم سے نہریں نکالنی تھیں؟ اگر ایک ہزار ایکڑ زمین کیلئے پانچ کیوسک پانی بھی مختص کیا جائے تو بارہ لاکھ ایکڑ زمین کیلئے 6000 کیوسک پانی مطلوب ہوگا، جو کہ 4.3 ملین ایکڑ فٹ پانی کے برابر ہے۔ بھاشا ڈیم کی گنجائش 6.4 ملین ایکڑ فٹ بتائی جاتی ہے، اس میں سے 4.3 ملین ایکڑ فٹ پانی آبادی کیلئے استعمال کیا گیا تو پھر باقی کیا بچے گا، کہ سندھ کو

در پیش کمی کا ازالہ ہو سکے۔ درحقیقت ڈیموں میں گاد کے بھر جانے سے ہونے والی کمی کا ازالہ منگلا ڈیم کی اونچائی میں اضافہ کر کے کیا گیا ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اب یہ ڈیم پنجاب کی زمینوں کو سیراب کرنے کیلئے بنایا جا رہا ہے۔

محکمہ آبپاشی سندھ کو بھی مستقبل میں پانی کی ہونے والی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے ضروری حکمت عملی تیار کرنی چاہئے، جس میں نہروں، بیراجوں اور واٹر کورسز کو پکا کرنا بھی شامل ہے۔ کچھ عرصہ قبل مرکزی حکومت کی جانب سے سندھ میں تیس ہزار واٹر کورسز پکے کرنے کا ایک پروگرام شروع کیا گیا تھا، جس کے تحت کچھ کام ہوا۔ اس منصوبے کو از سر نو شروع کرنے کی تگ و دو کی جائے۔ بھاشا ڈیم کی لاگت تقریباً 20 ارب ڈالر بتائی جا رہی ہے، جو کہ مرکزی حکومت کے ذمے ہے۔ میرا خیال ہے کہ سندھ میں نہروں کو پکا کرنے پر اخراجات ڈیم کی تعمیر پر آنے والے اخراجات سے کم ہوں گے، جو کہ مرکزی سرکار کو برداشت کرنے چاہئیں۔ اس سے ایک جانب تو حکومت کی بچت ہوگی تو دوسری جانب پانی کی کمی پر بھی قابو پایا جا سکے گا۔ یہ کام حکومتِ سندھ اور مرکزی حکومت کو مشترکہ طور پر کرنا چاہئے۔ یہ کام پبلک پرائیوٹ پارٹنر شپ کے تحت بھی کرایا جا سکتا ہے۔

سندھ کو چمکتی چیز دکھا کر اصل اثاثے سے محروم کرنے کے بجائے پانی کی کمی کا سدباب کیا جائے، جس میں (1) 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد، (2) چشمہ -جہلم لنک کینال اور تونسہ -پنجند لنک کینال بالخصوص خریف کی موسم میں چلانا بند کرنا، اور (3) غلط پیمائش کا اجرا بند کرنا شامل ہے۔ غلط پیمائش کو ضابطے میں لانے کیلئے ضروری ہے کہ دریائے سندھ کے سسٹم پر پیمائش کا جدید نظام ٹیلی میٹر سسٹم نصب کیا جائے اور یہ پیمائش عوام الناس کی رسائی میں ہو۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار" 6 رمئی 2021ء)

سندھ بیراج۔ نقصان ہی نقصان

2020ء کے دوران سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو وائرل ہوئی، جس میں واپڈا کا ایک اہلکار (کچھ حلقوں کے مطابق چیئرمین) ضلع ٹھٹہ کی ساحلی پٹی کے علاقے میں دریائے سندھ کے کنارے کھڑے ہو کر سندھ کے باشندوں کو یہ خوشخبری سُنا رہا تھا کہ واپڈا کی جانب سے اُس مقام پر دریائے سندھ کے کنارے پر ایک بیراج تعمیر کی جائے گی اور اس بیراج کی دونوں جانب سے نہریں نکالی جائیں گی، جو علاقے میں خوشحالی لانے کا باعث بنیں گی۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ منصوبے کے دو مقاصد ہیں، ایک تو سمندر کی پیش قدمی کو روکنا اور دوسرا علاقے میں پانی کی کمی کو ختم کرنا۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی خوشخبری سنائی کہ بیراج سے اوپر 160 کلومیٹر طویل ایشیا کی سب سے بڑی جھیل بھی تعمیر کی جائے گی۔ کہاوت ہے کہ بڑوں کی دیکھا دیکھی چھوٹے بھی اترانے لگتے ہیں، سو اس پر عمل کرتے ہوئے حکومتِ سندھ نے فوراً اعلان کیا کہ ہم نے تو پہلے ہی اُس مقام پر ڈیلٹا بیراج بنانے کا پروگرام بنایا ہوا ہے۔ واپڈا کا سندھ بیراج اور حکومتِ سندھ کا ڈیلٹا بیراج ایک ہی سکے کے دو پاسے ہیں۔ کیا واپڈا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سندھ کی مشاورت کے بغیر سندھ میں کوئی نیا منصوبہ شروع کرے؟ بالخصوص اٹھارویں ترمیم کے بعد یہ حق فقط صوبوں کو حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی اور پسند کے ترقیاتی منصوبے تیار کریں۔ لیکن چونکہ

CS CamScanner

تاحال سندھ کو نو آبادی سمجھ کر مرکز کے احکامات پر چلایا جا رہا ہے، اس لیے واپڈا نے سندھ کے ایکو سسٹم، ماحولیات اور فطری حسن کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

واپڈا کی جانب سے بنائے گئے لیفٹ بینک آؤٹ فال ڈرین (ایل بی او ڈی) کی تباہ کاریوں کا ہم مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اس منصوبے نے ضلع بدین کے جنوبی حصے کی سرسبز زمین غیر آباد اور برباد کر دی ہے اور بھرے پُرے گاؤں اُجاڑ دیئے ہیں۔ دوسری جانب مین نارا ویلی ڈرین (ایم این وی ڈرین) سے سندھ کی ایک خوبصورت جھیل منچھر اور اس پر قائم کشتیوں پر انسانی آبادی کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ منچھر کے رہائشی روزگار کی خاطر تربیلا تک گئے ہیں۔ واپڈا کی جانب سے ہی شروع کی گئی رائٹ بینک آؤٹ فال ڈرین (آر بی او ڈی) کا 15 ارب روپوں سے شروع کیا گیا منصوبہ اطلاعات کے مطابق 75 ارب روپوں تک پہنچ چکا ہے لیکن ابھی تک نامکمل ہے۔ آر بی او ڈی کئی مقامات پر دریائے سندھ کے ساتھ کچے کے علاقے سے گزرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آر بی او ڈی کا پانی جانداروں کیلئے قابلِ استعمال نہیں ہو گا۔ اگر خدانخواستہ آر بی او ڈی کو کچے کے علاقے میں کہیں شگاف پڑ گیا، بالخصوص سیوہن اور جامشورو کے درمیان، تو یہ حیدرآباد اور کوٹری بیراج پر آباد زیریں سندھ کے تمام اضلاع کیلئے تباہ کن ثابت ہو گا۔ اسی طرح سندھ بیراج/ڈیلٹا بیراج منصوبہ بھی مندرجہ بالا منصوبوں جتنا ہی خطرناک اور نقصاندہ ثابت ہو گا۔ آیئے، مختصراً اس منصوبے کا جائزہ لیتے ہیں۔

واپڈا کے اس منصوبے سے جہاں کئی ایک نقصانات ہوئے ہیں، وہاں ایک یہ فائدہ بھی ہوا ہے کہ واپڈا کے کرتا دھرتاؤں نے نصف صدی کے بعد یہ تسلیم کیا ہے کہ سمندر پیش قدمی کر رہا ہے جس کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ زمین سمندر برد ہو گئی ہے۔ درحقیقت غیر جانبدار ماہرین کے مطابق اس وقت تک سمندر ٹھٹہ،

سجاول اور بدین اضلاع کی کم از کم 15 لاکھ ایکڑ زمین برد کر چکا ہے۔

واپڈا اختیاری والوں نے اس مسئلے کا حل بیراج کی تعمیر میں تلاش کیا ہے جبکہ ملکی ماہرین سمندر کی پیش قدمی روکنے کا حل کوٹری سے نیچے ہر وقت مخصوص مقدار میں پانی جاری کرنے کو بتاتے ہیں۔ ورلڈ بینک کی ایک حالیہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ڈیلٹا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے پاکستان کو سالانہ دو ارب کا نقصان ہو رہا ہے اور انہوں نے زور دیا ہے کہ کوٹری سے نیچے پانی کسی بھی صورت نقطہ صفر پر نہیں ہونا چاہیے۔

میں اس مضمون سندھ بیراج سے نکلنے والی دو نہروں کا ذکر کر چکا ہوں جن کیلئے 5.4 ملین ایکڑ فٹ پانی چاہیے۔ 1991ء کی معاہدے کے مطابق انڈس ڈیلٹا کے لئے سندھ کا مطالبہ 10 ملین ایکڑ فٹ پانی ہے، جبکہ 2005ء میں کرائی گئی تحقیق میں 8.6 ملین ایکڑ فٹ پانی کی سفارش کی گئی ہے۔ اگر ہم دونوں اسم کو جوڑتے ہیں تو یہ 13.6 ملین ایکڑ فٹ پانی بنتا ہے جو فقط سیلاب کے برسوں میں اور مخصوص وقت کیلئے میسر ہو سکتا ہے، البتہ ہر وقت اس کی فراہمی ناممکن ہے۔ اگر پانی نہیں ہو گا تو عوام کی اتنی بڑی رقم اور وسائل کا ضیاع ہی ہو گا۔

منصوبے کے کئی ایک پہلو قابلِ جواب ہی ہیں، جن میں:

1) کیا سندھ بیراج سمندر کی پیش قدمی کو روک سکے گا؟
2) سندھ بیراج علاقے میں پانی کا مسئلہ کس طرح حل کرے گا؟
3) کیا اس خطے کی زمین (Soil) اتنے بڑے منصوبے کیلئے کارگر / ہے؟
4) کیا بین الاقوامی ماہرین کی رائے اس منصوبے کے حق میں ہے؟

ان تمام سوالات کے جواب کسی علیحدہ مضمون میں دینے کی کوشش کروں گا۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار"، 17/ جون 2021ء)

CS CamScanner

دریائے سندھ پر ڈیموں کی تعمیر کی سیاست

15 جون 2012ء کو روزنامہ ‘پنھنجی اخبار’ میں محترم محمد ادریس راجپوت کا مضمون ”دریائے سندھ پر ڈیم تعمیر کرنے کی ضرورت“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ راجپوت صاحب سندھ کے واحد انجنیئر ہیں جو کئی عشروں سے سندھ کے پانی کا مقدمہ اخبارات کے ذریعے لڑتے ہوئے آ رہے ہیں، انہوں نے دریائے سندھ پر ڈیم کی تعمیر، بالخصوص کالاباغ ڈیم کے خلاف اتنے مضامین تحریر کیے ہیں کہ اُن پر مشتمل انکی گیارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، تاہم پچھلے کچھ عرصے سے وہ دریائے سندھ پر ڈیم کی تعمیر کے حق میں لکھ رہے ہیں۔ دریائے سندھ کی موجودہ صورتحال میں فقط تین مقامات ہی ہیں جہاں پر ڈیم تعمیر ہو سکتا ہے، ایک کالاباغ، دوسرا کٹزارا اور تیسرا بھاشا۔ ادریس صاحب کالاباغ ڈیم کے خلاف لکھتے رہے ہیں۔ کٹزارا دفاعی اور تجارتی لحاظ سے ناقابلِ عمل لگتا ہے، باقی بھاشا کا مقام بچتا ہے جس کی حمایت میں وہ مسلسل لکھ رہے ہیں۔ محترم ادریس راجپوت کی سندھ، بالخصوص پانی کے معاملے پر خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کے ساتھ اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن انکی نیت پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انکی بات کو نہ تو سو فیصد مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قبول۔ ان کی بات پر غور کرنے سے قبل مسئلے کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

سندھ اور پنجاب کے درمیان پانی کا تنازعہ ڈیڑھ صدی پرانا ہے، جس کے

حل کیلئے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد ازاں کئی ایک کوششیں ہوتی رہی ہیں، تاہم پنجاب دریا کی اوپری جانب والے فریق ہونے کی وجہ سے کسی بھی معاہدے پر عمل درآمد کرنے سے ہمیشہ انکار ہی کرتا رہا ہے۔ وہ 1991ء کے معاہدے پر بھی عمل کرنے کو تیار نہیں ہے، نہ صرف اتنا بلکہ ارسا میں اپنی دھونس کے ذریعے ارسا سے خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کو پانی کی کمی میں حصیداری سے مستثنٰی قرار دیے جانے کا فیصلہ کرانے کے عوض دونوں صوبوں کے ساتھ مل کر اپنے حق میں اکثریتی فیصلے بھی کراتا رہا ہے، جس کی ایک مثال سہ رخی فارمولے کے تحت پانی کی تقسیم ہے۔ یہ اقدام 1991ء کے معاہدے کی شق 14 کی خلاف ورزی ہے، جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کمی پورے پاکستان کی سطح پر تقسیم ہوگی۔ ارسا ایکٹ 1992ء کے تحت ارسا فقط پانی کی تقسیم کیلئے ذمہ دار ہے جبکہ 1991ء کے معاہدے میں کسی بھی قسم کی ترمیم و تنسیخ کا اسکو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس پورے عمل کے پیچھے ایک سوچ اور ایک نفسیات کام کر رہی ہے۔ پنجاب کے سیاستدان، افسران یا سرمایہ دار سب سے پہلے پنجابی ہیں اور بعد میں کچھ اور اِسی سوچ کے تحت وہ سندھ کے ساتھ کوئی بھی معاہدہ کرنے کو تیار نہیں، جبکہ تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب سے معاہدہ کر کے اس کو تین دریا دے چکے ہیں۔ پانی کی تاریخ سے متعلقہ کتابوں سے واضح حوالہ جات ملتے ہیں کہ مشرقی پنجاب کے وفد کے سربراہ مسٹر کھوسلہ پانی کی تقسیم کی بات کرتے رہے لیکن ہمارے لوگوں کو بات سمجھ ہی نہیں آئی اور 1960ء میں بالآخر تین دریا بھارت کے حوالے کر کے دریائے سندھ پر حملہ آور ہوئے۔

اس موقعہ پر ایک پرانا قصہ یاد آیا کہ کائنات کی تخلیق کے وقت جب مختلف لوگوں کو انکی روزی روٹی کا حصہ مختص کر کے نیچے دنیا میں بھیجا جا رہا تھا تو آخر میں بچ جانے والے شخص کیلئے فرشتوں نے عرض کیا کہ چونکہ اس شخص کیلئے روزی

روئی کا پورا بندوبست نہیں ہے اس لیے اسکو دنیا میں نہ بھیجا جائے، اس پر مذکورہ شخص نے چلاتے ہوئے کہا کہ جو کچھ ہے وہ مجھے دیدو باقی کا میں خود ہی انتظام کرلوں گا۔ پنجاب بھی اس پر عمل کرتے ہوئے تین دریا مشرق پنجاب کو دیکر دریائے سندھ کے پانی پر قابض ہو گیا اور پھر دریائے سندھ کے جسم میں لنک کینالوں کی صورت میں برچھیاں اُتار کر، دریا کا پانی حاصل کر کے راوی اور ستلج دریاؤں پر آباد ہونے والی زمین کو آباد کر رہا ہے۔ یہ تمام تر ون یونٹ کے دوران ہوا، جس سے قبل ہندستان سے مذاکرات کرنے والے وفد میں ملک کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو نمائندگی حاصل تھی۔ لیکن ون یونٹ مسلط کیے جانے کے بعد وہ کمیٹی برخاست کر کے ایک نئی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے تمام تر اراکین کا تعلق پنجاب سے تھا، حالانکہ اس وقت واپڈا کے چیف انجنیئر (واٹر) ایک سندھی تھے لیکن اُن کو کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا۔

اس تمام تر صورتحال پر خود ادریس صاحب بھی پریشان ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک جانب پنجاب 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے تیار نہیں ہے تو دوسری جانب پنجاب اور ارسا والے سندھ کو منگلا سے پانی نہیں دیتے، اس لیے ہمیں یعنی سندھ والوں کو بھاشا ڈیم کو قبول کرنا چاہیئے۔ بے بسی کی انتہا ہے کہ ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے بھی ہمیں دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے اور ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ پھانسی قبول کریں یا عمر قید۔ ہم پھانسی یعنی دریائے سندھ پر ایک نیا ڈیم قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں باقی عمر قید یعنی پانی کی کمی پر گذارہ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کرلی جائے کہ جس دن سندھ کے باشندوں میں اولین سندھی اور بعد ازاں کچھ اور کی سوچ پیدا ہو گئی تو پھر حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ اس سے قبل کہ حالات اس نہج تک پہنچیں، بہتر ہو گا کہ بھائی چارے کی فضا کو

برقرار رکھتے ہوئے پانی کے مسئلے کا حل تلاش کیا جائے، جس کے تحت دریائے سندھ سسٹم میں آنے والے پانی کے درست اعداد و شمار فراہم کیے جائیں اور 1991ء کے معاہدے کی شق 2 کے تحت پانی کی تقسیم کی جائے۔ سندھ کے حصے میں آنے والی پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے حکومت سندھ کو سائنسی بنیادوں پر اقدامات کرنا ہوں گے، جن کا ذکر ادریس صاحب بھی اپنے مذکورہ مضمون میں کیا ہے "پانی کو کسی بھی صورت بچانا ہے جن میں واٹر کورسز کو پکا کرنا، چھوٹی برانچز کو پکا کرنا، زمین کو ہموار کرنا اور ڈرپ اور اسپرنکل شامل ہیں۔"

ہم بھاشا ڈیم کے مخالف کیوں ہیں؟ کچھ عرصہ قبل مرکزی حکومت نے پانی کا مسئلہ حل کرنے کی غرض سے اٹارنی جنرل آف پاکستان کو ذمہ داری سونپی۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں پانی کے مسئلے کا حل 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم کو قرار دیا۔ پنجاب نے رپورٹ یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ چونکہ 1991ء کے معاہدے میں 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی تقسیم کیا گیا ہے اور موجودہ وقت میں سسٹم میں صرف 102.5 ملین ایکڑ فٹ پانی میسر ہے اس لیے جب تک سسٹم میں 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی میسر نہیں ہو گا، 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم قبول نہیں کی جائے گی۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ پنجاب کے مطابق سسٹم میں 15 ملین ایکڑ فٹ پانی کی کمی ہے۔ کیا بھاشا ڈیم کی تعمیر سے یہ کمی پوری ہو جائے گی؟ جبکہ بھاشا ڈیم کی گنجائش فقط 6.2 ملین ایکڑ فٹ پانی کی ہے۔

دوسری جانب، مشرف دورِ حکومت میں قائم کردہ "آبی مسئلے کے حل کیلئے تکنیکی کمیٹی" نے اپنی رپورٹ میں انڈس سسٹم میں اضافی پانی منفی 0.25 ملین ایکڑ فٹ بتایا تھا۔ اگر اس کمیٹی کی رپورٹ کو نظر انداز بھی کیا جائے تب بھی پنجاب کا مطالبہ تسلیم کرنے کیلئے 9.0 ملین ایکڑ فٹ پانی کہاں سے آئے گا جبکہ انڈس ڈیلٹا کیلئے 8.6 ملین

ایکڑ فٹ پانی بھی میسر نہیں ہوتا، اس حساب سے 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلیے 23.6 ملین ایکڑ فٹ پانی مطلوب ہوگا، جو کہ ناممکن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بھاشا ڈیم ایک متبادل ڈیم ہے اور اس میں سے کوئی نہر نہیں نکالی جاسکے گی لیکن وزیراعظم کے معاونِ خصوصی کے ایک بیان کے مطابق، جو کہ روزنامہ ڈان میں شائع ہوا ہے کہ بھاشا ڈیم کی تعمیر سے ملک کو 4500 میگاواٹ بجلی حاصل ہوگی جبکہ اس سے بارہ لاکھ ایکڑ نئی زمین بھی قابلِ کاشت، ہوجائے گی۔ یہ زمین میرے خیال میں وہی ہے جس کیلیے کالاباغ ڈیم تعمیر کیا جارہا تھا۔ بھاشا ڈیم کی تعمیر میں پندرہ سے بیس سال لگ جائیں گے اور اس وقت تک تربیلا ڈیم گاد کی وجہ سے دھنس چکا ہوگا۔ اس طرح پانی کے ذخیرے میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور پنجاب بھی 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم سے منکر رہے گا۔ بداعتمادی کی اس فضا میں چاہے کتنے ہی ڈیم کیوں نہ بن جائیں لیکن مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ مسئلے کا حل، جیسا کہ لکھ چکا ہوں 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کرنے اور کمی سے مشترکہ طور پر نبردآزما ہونے میں ہے۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار" 21/ جون، 2021ء)

CS CamScanner

ارسا کے من پسند فیصلے اور سندھ کا نوحہ

محترم محمد ادریس راجپوت کا ایک مضمون بعنوان "سندھ میں پانی کا سیاسی اور قانونی حل" کے عنوان سے مورخہ 31 اگست 2021ء کو سندھی روزنامے "پنھنجی اخبار" میں شائع ہوا ہے، جس میں وہ پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کے قانونی اور سیاسی پہلو زیرِ بحث لائے ہیں۔ سیاسی پہلو میں وہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ وزیراعظم سے ملاقات کر کے 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم کا فیصلہ کرائیں، کیونکہ پنجاب شق 2 کے تحت پانی کی تقسیم پر راضی نہیں ہے۔ جبکہ قانونی پہلو کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ "وزیراعظم عمران خان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مشترکہ مفادات کی کونسل کے چیئرمین کے طور ارسا کے غلط فیصلوں کو مسترد کریں، جس کو کونسل کے تمام اراکین مسترد کرتے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد بھی ارسا کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قومی اسمبلی میں اسکو پیش کرے تاکہ قومی اسمبلی اسکو مسترد کرے۔ اس کے بعد قومی اسمبلی کے فیصلے کی روشنی میں ارسا سینیٹ سے رجوع کر سکتی ہے اور وہاں سے اپنے حق میں فیصلہ لے سکتی ہے، جس کے بعد وہ حتمی سمجھا جائے گا۔"

ادریس صاحب کافی عرصے سے سندھ میں پانی کے مسئلے پر لکھتے ہوئے آ رہے ہیں، اس حوالے سے انہیں سندھ میں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ادریس

صاحب جب یہ لکھتے ہیں کہ پنجاب 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے تیار نہیں ہے، تو لگتا ہے کہ انکی نظر میں پنجاب ایک طاقتور فریق ہے اور سندھ مظلوم ہے اور وہ مظلوم سندھی قوم کی مایوسی، نااُمیدی اور بے بسی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سندھ اور پنجاب کے درمیان پانی کا تنازعہ پچھلی دو صدیوں سے چل رہا ہے۔ 1991ء میں آخری مرتبہ سندھ، پنجاب اور دیگر صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم سے متعلق ایک معاہدہ ہوا۔ پنجاب تین سال کے بعد اس معاہدے سے منکر ہو گیا اور 1994ء میں وزارتی کونسل کے ایک فیصلے کے تحت پانی کی تقسیم شروع ہو گئی۔ 1994ء کے اس وزارتی فیصلے کے خلاف ملک کی وزارتِ قانون اور اُس وقت کے حاکم اعلیٰ نے عمل درآمد سے منع کیا لیکن واپڈا اور ارسا کی جانب سے ان ہدایات پر عمل درآمد کرانے کے بجائے 2003ء سے آج تک پانی کی تقسیم سہ رخی فارمولے کے تحت ہی کی جا رہی ہے۔ درحقیقت 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے 1992ء میں "انڈس ریور سسٹم اتھارٹی" (IRSA) کا بنیاد ڈالا گیا، جس کا بنیادی مقصد 1991ء کے آبی معاہدے کے تحت صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے امور پر نظر رکھنا ہے، لیکن ارسا معاہدے پر من و عن عمل کرانے کے بجائے اپنے من پسند فیصلے کر رہی ہے۔

1991ء کے معاہدے کے تحت ہر صوبے کا حصہ مختص ہے اور اس متعین حصے میں سے ہر صوبے نے اپنی نہروں کیلئے پانی کا حصہ مختص کیا ہوا ہے۔ یہ مشترکہ مفادات کی کونسل سے منظور کرا کے معاہدے کے ایک حصے کے طور پر شامل کیا گیا۔ معاہدے کی کسی بھی شق میں یہ درج نہیں ہے کہ اس معاہدے پر اُس وقت عمل درآمد ہو گا جب قابلِ تقسیم پانی 117.35 ملین ایکڑ فٹ ہو گا۔ یہ حقیقت ہے کہ 1991ء کا معاہدہ تمام تر خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود سندھ کے باشعور

CS CamScanner

لوگوں نے اس لیے قبول کیا کہ پانی کی تقسیم کی کوئی تو بنیاد ہو۔ 1991ء کے معاہدے میں شامل چودہ نکات میں کوئی بھی وضاحت شامل نہیں ہے۔ اگر 1945ء کے سندھ-پنجاب آبی معاہدے یا 1960ء کے سندھ طاس معاہدے پر نظر ڈالی جائے گی تو ان معاہدوں میں ہر شق کی وضاحت اور الفاظ کے معنی شامل ہیں۔ 1945ء کے معاہدے میں یہ بتایا گیا ہے کہ پنجاب کا دریائے سندھ اور سندھ کا باقی دریاؤں کے پانی میں کتنا حصہ ہے۔ کسی ایک دریائی نظام میں پانی کی کمی واقع ہونے کی صورت میں کوئی بھی صوبہ کسی اور اضافی پانی والے دریائی نظام سے اپنے مقرر کردہ حصے سے زیادہ پانی لے سکتا تھا، لیکن لیا جانے والا یہ اضافی پانی بعدازاں پانی کی صورتحال بہتر ہونے پر مخصوص کردہ مقامات پر واپس کرنا لازمی تھا۔ یہ بات 1991ء کے معاہدے میں واضح نہیں کی گئی ہے۔

موجودہ صورتحال میں پانی جمع کرنے کے بڑے ذخائر یعنی منگلا اور تربیلا موجود ہیں۔ جب ڈیم بنائے جا رہے تھے تو اُس وقت کہا گیا تھا کہ منگلا ڈیم مشرقی دریاؤں کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے اور تربیلا سندھ کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پنجاب ہندستان کے سپرد کیے گئے مشرقی دریاؤں کی اراضی کیلئے دریائے سندھ کا پانی استعمال نہیں کرے گا۔ لیکن آج معاملہ اس سے بالکل اُلٹ ہے۔ دریائے جہلم کیلئے کہا جاتا ہے کہ اس میں موسم کے ابتدا کے دوران زیادہ پانی آتا ہے جو بتدریج کم ہوتا جاتا ہے، جس کو انگریزی میں Early riser کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس پر موجود منگلا ڈیم کو خریف کی ابتدا میں بھرا جاتا ہے، تاکہ یہ پانی آنے والی ربیع میں کام آئے۔ منگلا ڈیم کو بھرنے کے اس عمل میں دریائے سندھ کا پانی دو بڑے فلڈ کینالوں کے ذریعے راوی، ستلج اور بیاس پر آباد ہونے والی اراضیوں کی جانب منتقل کیا جاتا ہے، جس کیلئے معاہدے کی شق 14 (d)

کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے حصے کا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ اس شق کے مطابق صوبے اپنی منظور شدہ حدود میں اس کے حامل ہوں گے کہ وہ سسٹم کے اندر پانی کو کم یا زیادہ کر سکیں یا وقت / موسم کے مطابق تبدیل کر سکیں۔ اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ وہ دریائے سندھ کا پانی مشرقی دریاؤں کی جانب منتقل کریں گے۔ اگر دریائے سندھ پر فلڈ کینال نہ ہوتے تو وہ کس طرح پانی منتقل کرتے۔ یہ فلڈ کینال بدنیتی پر مبنی ہیں۔ اس عمل کے دوران یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ سندھ کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں یا نہیں۔ گذشتہ تین برسوں کے دوران سندھ کو خریف کے دوران کم پانی حاصل ہوا ہے۔ حالیہ برس جب کوٹری بیراج پر ریت اُڑ رہی تھی تو ارسا ایک جانب منگلا ڈیم میں پانی ذخیرہ کر رہی تھی تو دوسری جانب دریائے سندھ سے فلڈ کینالوں کے ذریعے غیر قانونی طور پر پانی جاری کرنے کی اجازت دے رہی تھی۔ یہ سب کچھ 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد نہ کرنے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

ارسا ایکٹ کے مطابق ارسا کے فیصلے متفقہ کے بجائے اکثریتی رائے سے ہوتے ہیں تاہم اگر اکثریتی فیصلے 1991ء کے معاہدے کی بنیادی روح سے متصادم ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ مثلاً، ارسا نے ایک غیر قانونی فیصلے کے تحت بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کو کمی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ حالانکہ معاہدے کی شق (14 (b) میں کمی اور اضافہ پورے پاکستان کی بنیاد پر تقسیم کیے جانے کی بات کی گئی ہے۔ اس غیر قانونی رعایت ملنے کی وجہ سے دونوں صوبے رائے شماری میں پنجاب کے ساتھ ہوتے ہیں اور سندھ کا واحد ووٹ ارسا کے غیر آئینی فیصلوں کو روکنے میں ناکام ہوتا ہے اور اس طرح سندھ کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

جہاں تک دریاؤں میں پانی کے مقدار کی موجودگی کا تعین کرنے کا تعلق ہے تو یہ ابتدا ہی سے متنازعہ رہا ہے۔ پنجاب کے مطابق پانی 102.5 ملین ایکڑ فٹ

ہے جبکہ غیر جانبدار حلقوں کے مطابق یہ اس سے زیادہ ہے، مثلاً ایک محقق اعجاز حسین اپنی کتاب Indus Water Treaty میں واپڈا کی اعداد و شمار کے حوالے سے مغربی دریاؤں میں 1922-23ء سے 2009-10ء تک آنے والے پانی کے تفصیل دیتے ہیں، ان کے مطابق 1922ء سے 1947ء سے اوسطاً 135.27 ملین ایکڑ فٹ پانی، 1947ء سے 1961ء تک یعنی سندھ طاس معاہدے سے قبل 147.68 ملین ایکڑ فٹ، 1961ء سے 1967ء تک (تربیلا سے قبل) 128.6 ملین ایکڑ فٹ اور 1976ء سے 2010ء تک 138.37 ملین ایکڑ فٹ کے اعداد و شمار درج کیے گئے ہیں۔ پانی کے درست اعداد و شمار کی معلومات کیلئے ضروری ہے کہ پانی کے بہاؤ کی پیمائش سائنسی بنیادوں پر کی جائے اور پانی کی آمد اور اخراج کی غیر جانبدار ماہرین سے جانچ پڑتال کرائی جائے۔

ادریس صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں "معاہدے میں یہ ہے کہ جب تک نئے ڈیم تعمیر نہیں ہوتے تب تک معاہدے کی شق نمبر 2 پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔" مجھے نہیں معلوم کہ یہ رائے ادریس صاحب کی اپنی ہے یا انہوں نے پنجاب کی رائے بتائی ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بات معاہدے کے روح سے متصادم ہے۔ معاہدے کی شق نمبر 6 میں مستقبل میں زرعی ترقی کیلئے نئے ذخائر تعمیر کرنے کی بات تسلیم کی گئی ہے لیکن اس میں یہ تحریر کی نہیں کیا ہوا ہے کہ پانی کی تقسیم نئے ذخائر کی تعمیر سے مشروط ہو گی۔

معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم نہ کرنے اصل وجہ کا راز حال ہی میں اٹارنی جنرل آف پاکستان اور ارسا چیئرمین کے اس بیان سے عیاں ہو جاتی ہے کہ سہ رخی فارمولے پر عمل درآمد کرنے سے پنجاب کو شق نمبر 2 میں مختص پانی سے زیادہ پانی ملتا ہے جبکہ سندھ کو اس کے تحت کم پانی حاصل ہوتا ہے۔ ایک جانب

پنجاب کو معاہدے میں مختص سے زیادہ پانی دیا جارہا ہے تو دوسری جانب دو صوبوں کو کمی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں کمی سندھ کے حصے میں آتی ہے۔ پنجاب ارسا اور واپڈا کے ساتھ ساز باز کرکے سندھ کی معیشت کو تباہ کرنے کی غرض سے پانی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے جو کہ بین الاقوامی اصولوں سے متصادم عمل ہے۔ ارسا ایکٹ کی شق 8(3) کے تحت ارسا کے فیصلوں کے خلاف صوبے یا واپڈا مشترکہ مفادات کی کونسل میں جاسکتے ہیں۔ لیکن ارسا کی جانب سے مشترکہ مفادات کونسل کے فیصلوں کے خلاف اپیل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مشترکہ مفادات کونسل کے چیئرمین وزیر اعظم ہیں اور انکی ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کونسل کے اجلاس کا منعقد ہوتا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ پانی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر بروقت اور فوری فیصلہ نہیں کیا گیا تو بعد میں کسی فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جب تک شکم سیر ڈکاریں لیتا رہے گا تب تک بھوکا تو جان سے جائے گا۔

معاہدوں پر عمل درآمد کرانا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کچھ اخلاقی اور قانونی اقدار بھی ہوتے ہیں جن پر ایک چھت تلے امن امان اور بھائی چارے کی فضا میں رہنے کیلئے ان کی پیروی کرنا ضروری امر ہوتا ہے۔ ان اخلاقی اور قانونی اقدام پر عمل درآمد نہ کرنے کے نتائج سے پوری دنیا آگاہ ہے۔ اس سے قبل کہ اخلاقی اور قانونی اقدار کی پاسداری نہ کرنے کی وجہ سے حالات قابو سے باہر ہوں، ضروری ہے کہ سندھ میں پانی کی کمی کو ختم کرنے کیلئے ذیل درج باتوں پر عمل درآمد کیا جائے:

1. 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کرایا جائے
2. ملک میں موجود دریائی اور زیرِ زمین پانی کے ذخائر قومی پانی قرار دیکر،

منصفانہ تقسیم کے تابع لائے جائیں۔

3. پانی کی موجودگی / مقدار کے درست تعین کیلئے ٹیلی میٹر سسٹم کی تنصیب کی جائے۔

4. ملک میں پانی کی آمد اور استعمال کی غیر جانبدر آبی ماہرین کے ذریعے آڈٹ کرائی جائے۔

5. ورلڈ بینک کی سفارشات اور ماحولیات کو تباہی سے بچانے اور سمندر برد کے عمل کی روک تھام کیلئے کوٹری سے نیچے مطلوبہ پانی کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار"، 28؍ ستمبر 2021ء)

ارسا کی ہٹ دھرمی اور سندھ کی بے بسی

یکم اکتوبر 2021ء کے اخبارات میں شائع ہونے والی ایک خبر ہے کہ ارسا کی جانب سے ربیع کے موسم کیلیئے پانی کی تقسیم کیلیئے طلب کردہ مشاورتی کمیٹی کا اجلاس کسی نتیجے کے بغیر برخاست۔ سندھ کے وفد کی جانب سے اجلاس کا بائیکاٹ۔ 5 اکتوبر کو اجلاس از سر نو طلب کرنے کا فیصلہ۔ تفصیلات کے مطابق اجلاس میں ارسا کے قائم مقام چیئرمین اور پنجاب کے نمائندے نے ربیع کیلیئے پانی کی تقسیم سہ رخی فارمولے کے تحت کرنے کی تجویز پیش کی، جبکہ سندھ کے نمائندے نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے پانی کی تقسیم 1991ء کے معاہدے کی شق 2 اور 14 (b) کے تحت کرنے کا مطالبہ کیا۔ اجلاس میں موجود خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کے نمائندوں نے پنجاب کے موقف کی تائید کی جبکہ قائم مقام چیئرمین نے رائے شماری کے ذریعے زبردستی اپنی بات منوانے کی کوشش کی لیکن سندھ کے نمائندے اس دھونس پر احتجاج کرتے ہوئے اجلاس کا بائیکاٹ کر کے چلے گئے۔ اس طرح اجلاس کسی فیصلے کے بغیر موخر کر دیا گیا۔ آیئے، دونوں فریقین کے موقف اور 1991ء کے معاہدے کی مختلف شقوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

پنجاب کا موقف:

پنجاب کے مطابق 1991ء کے معاہدے کے تحت دونوں موسم کیلئے 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی تقسیم کیا گیا ہے، تاہم چونکہ سسٹم میں اتنا پانی میسر نہیں ہے اس لیے پہلے یہ پانی میسر کیا جائے، جس کے بعد ہی 1991ء کے معاہدے کی شق 2 کے تحت تقسیم کی جائے۔ 1994ء میں دریائے سندھ سسٹم میں پانی کی کمی کی وجہ سے پنجاب کے کہنے پر وزارت پانی و بجلی نے ایک عارضی فیصلے کے تحت پانی کی تقسیم شق نمبر 2 سے مختلف کرنے کی سفارش کی تھی، جس کے بعد پنجاب نے اپنے موقف پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور ہر سال پانی ایک نئے طریقہ کار یعنی سہ رخی فارمولے کے تحت تقسیم کیا جانے لگا ہے۔

سندھ کا موقف:

سندھ کا موقف ہے کہ 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت ہر صوبے کا پانی موسم کے لحاظ سے مختص ہے۔ پورے سیزن میں پانی یکساں طور پر تقسیم کرنے کیلئے معاہدے کی شق نمبر 14 (b) کے تحت تربیلا ڈیم بننے کے بعد پانچ سالوں تک استعمال کیے گئے پانی کی بنیاد پر ہر صوبے نے اپنی نہروں کیلئے دس روزہ بنیادوں پر تقسیم کر کے دی، جو کہ مشترکہ مفادات کونسل کی منظوری سے اس معاہدے کے حصے کے طور پر اس میں شامل کی گئی۔ معاہدے کی شق نمبر 14 (b) میں یہ بھی تحریر ہے کہ پانی کی کمی یا زیادتی پورے پاکستان کی بنیاد پر تقسیم ہوگی، اس لیے ربیع کے موسم کیلئے بھی پانی کی تقسیم معاہدے کی شق 2 اور 14 (b) کے تحت کی جائے۔ سندھ کا یہ بھی کہنا ہے کہ 1994ء کے وزارتی کونسل کے فیصلے کی کوئی بھی آئینی اور قانونی حیثیت نہیں ہے۔

صوبوں کے موقف پر بحث سے قبل آیئے دیکھتے ہیں کہ معاہدے کی مختلف شقوں میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے اور سہ رخی فارمولہ کیا ہے؟

شق نمبر 2: پانی کی تقسیم کے منظور شدہ اصولوں کی روشنی میں ذیل درج تفویض پر رضامندی ظاہر کی گئی۔

(اعداد و شمار ملین ایکڑ فٹ میں)

صوبہ	خریف	ربیع	کل
پنجاب	37.07	18.87	55.94
سندھ *	33.94	14.84	48.76
خیبر پختونخواہ	3.48	2.3	5.78
سول کینال**	1.8	1.2	3.0
بلوچستان	2.85	1.02	3.87

شق نمبر 4: اضافی دریائی فراہمیاں (بشمول سیلابی فراہمیاں اور مستقبل کے ذخائر) ذیل درج طور تقسیم ہوں گے:

پنجاب	سندھ	خیبر پختونخواہ	بلوچستان	کل
37 فیصد	37 فیصد	14 فیصد	12 فیصد	100 فیصد

شق نمبر 14 (a) نظام کے تحت تفویض پر دس روزانہ بنیاد پر علیحدہ کام کیا جائے گا اور اس معاہدے کے حصے کے طور پر اُس سے جوڑا جائے گا۔

---

* میٹرو پولیٹن کراچی کیلئے شہری اور صنعتی استعمال، قبل ازیں منظور شدہ سمیت

** رم اسٹیشن سے اوپر غیر پیمائش شدہ شہری کینال

شق نمبر 14(b)، 1977ء سے 1982ء کے عرصے کیلئے حقیقی سسٹم پر استعمال کے ریکارڈ مستقبل کے ضوابط کا جواز تیار کرنے میں رہنما بن سکتے ہیں۔ یہ دس روزانہ استعمال مختلف کنالی نظاموں کے موسم کے لحاظ سے تفویض ظاہر کرنے کیلئے متناسب طور مطابقت میں لائے جائیں گے اور پورے پاکستان کی بنیاد پر کمی اور زیادتی کی تقسیم کیلئے بنیاد بنیں گے۔

سہ رخی فارمولہ:

پہلا مرحلہ: اگر پانی تربیلا ڈیم بننے سے پانچ سال بعد کے حاصل کیے گئے پانی سے کم ہو تو تقسیم معاہدے کی شق نمبر 14 (b) کے تحت ہوگی۔

دوسرا مرحلہ: اگر پانی تربیلا ڈیم بننے کے بعد پانچ سال کے اوسطاً حاصل کیے گئے پانی سے زیادہ اور معاہدے کی شق نمبر 2 سے کم ہوگا تو تقسیم دو نمونوں سے ہوگی۔ پانچ سالوں میں حاصل کیے گئے پانی تک تقسیم معاہدے کی شق نمبر 14 (b) کے تحت ہوگی اور اُس سے زیادہ پانی کی تقسیم معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت ہوگی۔

تیسرا مرحلہ: اگر پانی کی موجودگی معاہدے میں دیئے گئے اعداد و شمار سے زیادہ ہوگی تو تقسیم معاہدے میں شامل اعداد و شمار تک شق نمبر 2 کے تحت ہوگی اور اس سے زیادہ پانی کی تقسیم شق نمبر 4 کے تحت ہوگی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ سہ رخی فارمولے اور 1991ء کے معاہدے کے تحت ربیع کے موسم میں ہر صوبے کو کتنا پانی ملتا ہے۔

1991ء کے معاہدے کے تحت ربیع کے موسم کے دوران دستیاب پانی میں پنجاب 51.1 فیصد، سندھ 40.1 فیصد، خیبر پختونخواہ 6.0 فیصد اور بلوچستان 2.8

فیصد پانی حاصل کرنے کے حقدار ہیں۔ دوسری جانب تربیلا ڈیم کی تعمیر کے بعد پانچ سالوں میں اوسطاً پنجاب 56.3 فیصد، سندھ 40.3 فیصد اور خیبر پختونخواہ نے 3.4 فیصد پانی ربیع کے موسم میں حاصل کیا ہے۔ یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ اس عرصے میں بلوچستان کو سندھ کے حصے سے پانی دیا گیا ہے۔

چونکہ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کو پانی کی کمی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اس لیے ان کو 1991ء کے معاہدے میں مختص پانی ہر صورت ملنا ہے۔ اس حساب سے دونوں صوبے مشترکہ طور پر ربیع کے موسم میں موجود پانی کے 8.8 فیصد حصے کے حقدار ہیں۔ یہ انکو ملے گا، چاہے تقسیم کسی بھی طریقے سے کی جائے، اس لیے یہ پنجاب کے سہ رخی فارمولے کی حمایت کرتے ہیں۔ سہ رخی فارمولے کے تحت تقسیم میں خیبر پختونخواہ کو ربیع کے موسم میں 2.4 فیصد اور جبکہ پنجاب کو ملنے والا پانی 1991ء کے معاہدے میں مختص سے 5.3 فیصد زیادہ ہے۔ دوسری جانب سندھ کو بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کا اضافی پانی 5.2=2.4+2.8 فیصد پانی حصے سے کم ملے گا یعنی سندھ کو ربیع میں موجود پانی کا 34.8 فیصد پانی ملے گا، جو کہ زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیا ارسا 1991ء کے معاہدے میں کوئی ردوبدل کر سکتی ہے جواب ہے کہ نہیں، اس لیے کہ ارسا ایکٹ کے مطابق ادارہ صرف پانی کی تقسیم اور 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے ہی ذمہ دار ہے۔

آئینی طور پر ارسا کو 1991ء کے معاہدے میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر ارسا میں کوئی اختلافی معاملہ سامنے آتا ہے تو اس پر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار صرف مشترکہ مفادات کونسل کو حاصل ہے۔ اگر خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کو پانی کی کمی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے تو پھر اس کا دریائے سندھ کے سسٹم کے مفادات سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اس لیے ان کو ارسا کی رکنیت

CS CamScanner

کا کوئی حق نہیں رہتا، اس لیے دریائے سندھ سے وابستہ مفادات کے فریقین کے وسیع تر مفاد میں ان کو ارسا سے علیحدہ کیا جائے۔ ان کی موجودگی میں سندھ کے مفادات کو مستقل طور پر خطرات لاحق رہیں گے۔ دوسری جانب پانی سندھ کی زرعی معیشت اور سندھ کے باشندوں کیلیئے زندگی کا سوال ہے۔ اس لیے حکومت کو پانی کی تقسیم سے متعلق اپنے اصولی موقف سے دستبردار نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کسی فریق کو اس پر اعتراض ہے تو وہ ارسا ایکٹ کے مطابق مشترکہ مفادات کونسل سے رجوع کر سکتا ہے۔ جب تک مشترکہ مفادات کونسل کوئی فیصلہ کرے، تب تک 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کیا جائے۔

اگر سندھ حکومت نے اپنے اصولی موقف میں کسی طرح کی لچک دکھائی تو اس کو سندھ کے لوگوں کے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ارسا کو بھی سندھ دشمنی کا رویہ ترک کرنا ہوگا۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار" 14/ اکتوبر 2021ء)

سندھو کی راہ نہ روکو

سندھ اپنی زرعی ضروریات کو پورا کرنے اور اپنے سمندری خطے (Indus Delta) اور دریائے سندھ کی بقا کیلئے گزشتہ ڈیڑھ صدی سے مسلسل جدوجہد میں ہے۔ لیکن ہر آنے والا وقت پچھلے دن کے مقابلے میں زیادہ مشکلات کا حامل ہے۔ آج بھی سندھ اپنی زرعی معیشت، ماحولیات اور ایکو سسٹم کے تحفظ کیلئے انتہائی مشکلات کا شکار ہے، جس کا ایک سبب سندھ کو اپنے حصے کا پانی نہ ملنا ہے۔

حال ہی میں آبی وسائل کے مرکزی وزیر نے کراچی میں وزیرِ اعلیٰ سندھ سے اپنی ایک ملاقات میں 1991ء کے معاہدے پر نظر ثانی کر کے پانی کی تقسیم کیلئے ایک نیا معاہدہ کرنے پر زور دیا ہے۔ مرکزی وزیر کی اس ملاقات کا پس منظر ارسا کی جانب سے موجودہ ربیع کی موسم کیلئے پانی کی تقسیم کیلئے 30 ستمبر کو منعقدہ مشاورتی کمیٹی کے اجلاس کا سندھ کی جانب سے بائیکاٹ اور 5 اکتوبر کو از سر نو طلب کردہ اجلاس میں پانی کی تقسیم پر اختلافی نقطہ نظر بتایا جاتا ہے۔

30 ستمبر کے اجلاس میں ارسا چیئرمین کی جانب سے پانی کی تقسیم 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت کرنے کے بجائے سہ رخی فارمولے کے تحت کرنے کی تجویز پر سندھ کے نمائندے نے اعتراض کیا، بعد ازاں سندھ کے نمائندے نے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا۔ ارسا چیئرمین کی جانب سے 5 اکتوبر کو دوبارہ

طلب کیے گئے اجلاس میں سندھ کی مخالفت کے باوجود سہ رخی فارمولے کے تحت پانی کی تقسیم کا فیصلہ کیا گیا۔ سندھ حکومت نے ارسا کے اس فیصلے کے خلاف مرکزی حکومت کے پاس شکایت بھی درج کرائی اور مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس طلب کرنے کی درخواست کی۔ اس صورتحال میں مرکزی وزیر کی سندھ کے وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات ہوئی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق وزیرِ اعلیٰ سندھ نے نئے معاہدے کی تجویز مسترد کرتے ہوئے پانی کی تقسیم 1991ء کے معاہدے کے تحت ہی کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے گزشتہ ڈیڑھ صدی سے پانی کی تقسیم کے معاملے پر سندھ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس دوران پانی کا مسئلہ حل کرنے کیلئے مختلف کمیشن اور کمیٹیاں تشکیل دی گئیں لیکن ان کی سفارشات پر کوئی عمل درآمد نہیں ہوا۔ بالآخر 1991ء میں آخری معاہدہ ہوا جس کو بھی تین سال کے عمل درآمد کے بعد ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا اور پنجاب بروزِ طاقت ارسا سے اپنی مرضی کے فیصلے کرانے لگا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے انڈس ڈیلٹا کیلئے پانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 1991ء کے معاہدے میں شامل ہونے کے باوجود یہ مختص پانی نہیں دیا جارہا ہے۔

آیئے، اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ پنجاب یہ کچھ کیوں کر رہا ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ سہ رخی فارمولے کے تحت تقسیم کے ذریعے پنجاب کو 1991ء کے معاہدے سے زیادہ جبکہ سندھ کو کم پانی ملتا ہے۔ یہ بات وزیر اعلیٰ سندھ نے مذکورہ ملاقات میں اعدادوشمار کے ساتھ ثابت کی۔ جہاں تک دیگر اراکین کے پنجاب کا ساتھ دینے کا تعلق ہے تو یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ ارسا کی جانب سے غیر قانونی طور پر کیے گئے فیصلے میں بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کو کمی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ ان دونوں صوبوں کو 1991ء کے معاہدے کے تحت پانی حاصل

CS CamScanner

ہوتا ہے جو کہ سہ رخی فارمولے سے زیادہ ہے، اس لیے وہ پنجاب کا ساتھ دیتے ہیں دوسرا یہ کہ مرکز کو دریائے سندھ کے پانی سے کوئی حصہ ملا ہوا نہیں ہے، اس لیے پانی کی تقسیم کسی بھی طور ہو، اس سے مرکز کا کوئی سروکار نہیں اور وہ اکثریت کے پلڑے میں کھڑا ہوتا ہے۔

اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ پانی کی تقسیم کا معاملہ تیکنیکی سے زیادہ سیاسی ہو گیا ہے۔ مشترکہ مفادات کونسل میں سندھ کی شکایت پر اٹارنی جنرل پاکستان کو صورتحال کا جائزہ لیکر رپورٹ تیار کرنے کا کہا گیا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کیا جائے۔ افسوس کہ اس رپورٹ کو بھی دفتر داخل کیا گیا ہے۔

میری نظر میں یہ سیاسی معاملہ اس طرح ہے کہ پاکستان چار اکائیوں کا ملک ہے، جس میں پنجاب کی آبادی 60 فیصد جبکہ باقی تینوں صوبوں کی آبادی 40 فیصد ہونے کی وجہ سے مرکز میں حکومت اُسی جماعت کی بنتی ہے جس کو پنجاب میں زیادہ ووٹ ملے ہوتے ہیں۔ دوسری جانب پنجاب کی صوبائی حکومت فطری طور پر صوبے کے مفادات کی نگہبان ہوتی ہے، اس لیے کوئی بھی مرکزی حکومت صوبہ پنجاب کی مرضی کے برعکس کوئی فیصلہ نہیں کر پاتی۔ اس بات کا واضح ثبوت 3 جولائی 1973ء کا سندھ اور پنجاب کے درمیان چشمہ۔ جہلم لنک کینال عارضی طور پر کھولنے کے فیصلے سے پنجاب کا مکر جانا ہے۔

1973ء میں پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں ہونے والے اس معاہدے پر مرکز کی جانب سے عبدالحفیظ پیرزادہ، پنجاب کی جانب سے گورنر غلام مصطفیٰ کھر اور سندھ کی جانب سے وزیر اعلیٰ ممتاز بھٹو کے دستخط ہیں۔ لیکن ابھی اس معاہدے کی سیاہی خشک ہی نہیں ہوئی تھی کہ پنجاب نے 16 اکتوبر 1973ء کو حکومتِ سندھ کو

ایک خط ارسال کیا کہ یہ کینال عارضی طور پر استعمال کرنے کیلئے تعمیر نہیں ہوا ہے، یہ مستقل طور پر استعمال کرنے کیلئے بنایا گیا ہے اور اس طرح سے یہ کینال تاحال بہہ رہا ہے۔

مذکورہ اجلاس میں وزیر اعلیٰ نے چشمہ-جہلم لنک کینال اور تونسہ-پنجند لنک کینال، جو کہ سیلابی کینال ہیں، کے مستقل جاری رہنے کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ حالیہ خریف میں ان دونوں کینالوں کے ذریعے غیر قانونی طور پر 15 ملین ایکڑ فٹ پانی دریائے سندھ سے لیکر مشرقی دریاؤں کی اراضی کو دیا گیا ہے، جبکہ اُس برس سندھ میں خریف کے دوران پانی کی سخت کمی تھی۔

آیئے، اب ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں کہ نئے معاہدے کی بات کے پیچھے کیا عوامل کار فرما ہیں۔ میرے خیال میں پنجاب قانونی طور پر چشمہ-جہلم کینال اور تونسہ-پنجند لنک کینال کیلئے پانی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کچھ سال قبل چشمہ-جہلم لنک کینال کی دُم پر واپڈا کی جانب سے ایک بجلی گھر بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ اس منصوبے کے پیچھے پنجاب کی لنک کینال کو قانونی طور پر چلانے کی مخفی خواہش تھی۔ ارسا نے تو اس کی اجازت بھی دے دی تھی تاہم سندھ کی جانب سے شدید مخالفت کی بنا پر یہ اجازت واپس لی گئی۔ اسکے علاوہ پنجاب گریٹر تھل کینال کیلئے بھی پانی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ پنجاب کی نظر بلوچستان کیلئے بنائے گئے کچھی کینال پر بھی ہے۔ کچھی کینال تونسہ بیراج سے نکل کر پنجاب کی حدود میں تین سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرکے بلوچستان پہنچتا ہے۔ پنجاب ان تین سو کلو میٹر کی حدود میں اس کینال سے اپنے لیے پانی حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ملکی اور غیر ملکی معاہدوں میں خامیاں ہوتی ہیں۔ 1991ء کا معاہدہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے

کہ معاہدے کو سرے سے مسترد کر دیا جائے۔

مرکزی وزیر نے مذکورہ اجلاس میں کہا کہ وہ دیگر متعلقہ فریقین سے بات چیت کر کے سندھ کی شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

سندھ کے دکھ درد کا درمان یہ خالی وعدے نہیں ہے، بلکہ سندھ کی شکایات کا ازالہ کرنے اور سندھ کو مختص شدہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس کی معیشت پر پڑنے والے منفی اثرات کو ختم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وسیع تر ملکی مفاد میں فوری طور پر ضروری اقدامات کیے جائیں، جن میں:

1- 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کرنا۔
2- ارسا کی جانب سے دیگر صوبوں کو دیا جانے والا استثنیٰ ختم کرنا۔
3- فلڈ کینال مستقل طور پر نہ چلانا۔
4- فلڈ کینال اضافی پانی ہونے کی صورت میں ہی چلانا۔
5- مرکز کا نمائندہ جو کچھ سال قبل سندھ سے مقرر کیا جاتا تھا، کی روایت کو ازسرنو بحال کرنا۔
6- پانی کے بہاؤ کا درست اندازہ لگانے کیلئے سائنسی بنیادوں پر پیمائش کا نظام وضع کرنا، جس میں ٹیلی میٹر نظام شامل ہے۔
7- پانی کے مقدار اور استعمال کا غیر جانبدار فریق سے آڈٹ کرانا۔

اس پورے معاملے میں ارسا کا کردار جانبدار اور سندھ دشمن رہا ہے۔

ارسا کو چاہئے کہ اپنے اس رویے کو تبدیل کر کے پانی کی تقسیم کیلئے سائنسی طریقے اختیار کرے اور سندھ کا اعتماد بحال کرے۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار"، 16ر اکتوبر 2021ء)

CS CamScanner

ارسا کی چیئرمین شپ اور سندھ کی اُمیدیں

اخباری اطلاعات کے مطابق 18 اکتوبر سے ارسا کی چیئرمین شپ سندھ کے نمائندے زاہد حسین جونیجو۔ نے سنبھال لی ہے۔ ارسا میں پانی کی تقسیم پر حال ہی میں پیدا ہونے والے اختلافات کے پس منظر میں چیئرمین شپ پنجاب سے سندھ کی جانب منتقل ہونے پر سوشل میڈیا میں یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ جیسے یہ عہدہ پنجاب سے چھین کر سندھ کے سپرد کیا گیا ہے۔ در حقیقت یہ عمل ایک قانونی تقاضہ ہے، جس میں نہ کسی کی عزت افزائی ہے اور نہ ہی توہین۔

1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کیلئے 1992ء میں انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (IRSA) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ارسا ایکٹ کی شق نمبر 4 کے تحت ارسا کا چیئرمین باری باری ہر صوبے سے ایک سال کیلئے مقرر ہوگا۔ اس کے تحت سب سے اول بلوچستان سے چیئرمین منتخب کیا گیا، جس کے بعد خیبر پختونخواہ، پنجاب، سندھ اور مرکز سے چیئرمین منتخب ہوتے رہے ہیں۔ اس سے قبل سندھ سے محترم نصر علی راجپوت، نور محمد بلوچ، مظہر علی شاہ، بشیر احمد ڈھر، شجاع احمد جونیجو، محمد خان میمن اور عبدالرسول میمن اس عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔

چیئرمین زاہد حسین جونیجو کا کہنا ہے کہ وہ کوشش کریں گے کہ انکے دور میں پانی کی تقسیم 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت ہی ہو۔ جونیجو صاحب

CS CamScanner

نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ 15 اکتوبر کو منعقدہ مشاورتی کونسل کے اجلاس کی جاری کردہ کاروائی میں سندھ کی جانب سے سہ رخی فارمولے پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

کیا چیئرمین شپ ملنے سے سندھ کو کوئی فائدہ ہوگا یا چیئرمین اپنی مرضی کے مطابق کوئی فیصلے کرسکتے ہیں آیئے اس کا جواب ارسا ایکٹ میں تلاش کرتے ہیں۔ ارسا ایکٹ کے تحت اجلاس کیلئے چیئرمین سمیت تین اراکین کا اجلاس میں شریک ہونا ضروری ہے اور تمام تر فیصلے کثرتِ رائے سے کیے جائیں گے۔ اس طریقہ کار کے تحت 1992ء سے لیکر آج تک ارسا کے کام کاج چل رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ارسا کے کل پانچ اراکین ہیں۔

جب بھی پانی کی تقسیم پر اختلاف پیدا ہوا ہے تو سندھ کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا اور باقی ماندہ اراکین اکثریتی بنیاد پر سندھ کے خلاف فیصلہ کرتے رہے ہیں۔ اس عمل کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بات اب کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کے اراکین سہ رخی فارمولے کی حمایت کیوں کرتے ہیں اور شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم کے مخالف کیوں ہیں۔ جب تک ان دونوں صوبوں کو غیر قانونی طور پر پانی کی کمی میں حصہ دار بننے سے استثنیٰ دینے کا فیصلہ واپس نہیں لیا جاتا، اس وقت تک سندھ کا یہ مطالبہ کہ پانی کی تقسیم شق نمبر 2 کے تحت کی جائے اور کمی پاکستان بھر کی بنیاد پر معاہدے کی شق نمبر 14 (b) کے تحت بانٹی جائے، ردی کی ٹوکری کے حوالے ہوتا رہے گا۔ ایسی صورتحال میں سندھ کے پاس دو متبادل رہتے ہیں، یا تو مشترکہ مفادات کونسل سے رجوع کرکے کوئی فیصلہ حاصل کرے یا معاملہ وزارتِ قانون کو ارسال کرکے معاہدے کی تشریح حاصل کرے۔ مشترکہ مفادات کونسل کا چیئرمین وزیراعظم ہے، جن کی مصروفیات کی وجہ سے

کونسل کا اجلاس منعقد ہونا ناممکن اگر نہیں تو بھی مشکل ضرور ہے۔ سندھ ماضی میں بھی مشترکہ مفادات کونسل میں یہ مسئلہ اُٹھا چکا ہے، جس نے ٹالنے کی غرض سے اٹارنی جنرل سے رائے طلب کی۔ اٹارنی جنرل نے بھی اس پر کوئی قانونی رائے دینے کے بجائے یہ کہہ کر معاملہ ٹال دیا کہ یہ قانونی سے زیادہ سیاسی مسئلہ ہے، اس لیے حکومت اس کو خود حل کرے۔ اٹارنی جنرل کا یہ بھی کہنا تھا کہ پانی کی تقسیم معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت ہونی چاہیئے۔ اٹارنی جنرل کی اس رپورٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ضمن میں کوئی دوسرا متبادل خاطر خواہ نتائج کا حامل نہیں ہو گا۔

اس طرح کی صورتحال میں اگر جونیجو صاحب کچھ باتوں پر توجہ مبذول کریں اور ان پر کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل کر سکیں تو سندھ کو کسی بہتری کی اُمید ہو سکتی ہے۔ ایک تو ارسا کے اجلاسوں کی کاروائی کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ کرانے کا فیصلہ کرایا جائے تاکہ کوئی بھی کاروائی سے متعلق غلط بیانی نہ کر سکے۔ دوسرا یہ کہ ادارے کی جانب سے پانی کے مقدار کے درست تعین کیلئے پیمائش کا ٹیلی میٹر سسٹم منظور کرایا جائے اور ملک کے تمام آبی ذخائر، بیراجوں اور اہم نہروں پر اس کی تنصیب کی جائے تاکہ پانی کے استعمال کے حقیقی اعداد و شمار سے متعلق معلومات میسر ہو۔ اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم عنصر یہ ہے کہ دریائے سندھ میں کتنا پانی ہے اور کس صوبے کو کتنا پانی حاصل ہوتا ہے۔ موجودہ وقت میں ارسا کی جانب سے تاثر دیا جاتا ہے کہ سسٹم میں 102 ملین ایکڑ فٹ سے زیادہ پانی میسر نہیں ہے، دوسری جانب جو محققین پانی پر تحقیق کرتے ہیں، وہ ارسا اور واپڈا کی جانب سے پیش کردہ اعداد و شمار کی بنیاد پر پانی کی مقدار 1991ء کے معاہدے میں تقسیم / مختص کردہ مقدار سے زیادہ بتاتے ہیں۔

حال ہی میں روزنامہ ڈان میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں ارسا کے ارشاد راؤ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مغربی دریاؤں میں اوسطاً 139 ملین ایکڑ فٹ پانی آتا ہے جبکہ مشرقی دریاؤں سے 6 ملین ایکڑ فٹ پانی حاصل ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں کو جوڑا جائے تو کُل 145 ملین ایکڑ فٹ پانی ہوتا ہے۔ ان اعداد و شمار کی حقیقت معلوم کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ 1991ء سے آج تک کے پانی کے مقدار کی غیر جانبدار آبی ماہرین سے آڈٹ کرائی جائے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ سسٹم میں کتنا پانی ہے اور کون کتنا پانی استعمال کر رہا ہے۔ یہ معاملہ انتہائی اہم ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو پھر دیگر مسائل کے حل کی بھی راہ کُھل جائے گی۔ موجودہ چیئرمین سے ایک عام شہری کے طور پر اُمید رکھنی چاہئے کہ وہ ذیل درج امور پر توجہ مبذول کریں گے اور کوئی مناسب تدارک کریں گے۔

1- پانی کی مقدار کی غیر جانبدار ماہرین سے آڈٹ
2- ٹیلی میٹر سسٹم کی تنصیب
3- دریائے سندھ سے نکلنے والے فلڈ کینال عام حالات / دنوں میں بند رکھنا
4- کوٹری بیراج سے نیچے ماحولیاتی دریائی بہاؤ کیلئے مختص شدہ پانی علیحدہ سے جاری کرانا۔ اگر موجودہ چیئرمین مندرجہ بالا مسائل کو حل کرانے میں کامیاب ہوتے ہیں تو سندھ کی ان سے وابستہ اُمیدیں کسی حد تک پوری ہوسکتی ہیں۔

(روزنامہ ”پنھنجي اخبار“، 28/اکتوبر 2021ء)

دریا کی پُکار

دریائے سندھ کا وجود پانچ سے چھ کروڑ سال قبل Tethysa Sea میں انڈین پلیٹ Gond Wana Land کے یورو شین پلیٹ Anger Land سے ٹکرانے کی مرہونِ منت ہے۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ہمالیہ کا پہاڑ وجود میں آیا اور ہمالیہ کی برف پوش وادیاں دریائے سندھ کے پانی کا مستقل ذریعہ بن گئیں۔ اس طرح دریائے سندھ اپنی آب و تاب سے بہنے لگا۔ جغرافیہ کے ماہرین کے مطابق یہ خطہ ساٹھ ہزار سال قبل موجودہ ملتان کے علاقے تک سمندر کے پانی میں تھا، دریائے سندھ آہستہ آہستہ سمندر کو پیچھے دھکیلتا ہوا، میدانی علاقے ظاہر کرتا گیا۔ اندازاً نو ہزار سال قبل موجودہ ہالا (سندھ) تک کا علاقہ زیرِ آب تھا۔

دریائے سندھ آج سے تقریباً پون صدی پہلے تک اپنی آب و تاب سے بہہ رہا تھا، جس کیلئے شاہ عبداللطیف بھٹائی نے کہا ہے کہ،

کیسی دہشت ہے دریا میں، نہنگ کریں یلغار،
ناپ سکیں نہ گہرائی جو، مانجھی ہیں ہشیار،
ایسے ہیں گھڑیال چُھپے جو، کر دیتے ہیں وار،
بیڑے ڈوبیں، نکل نہ پائیں، پہنچنا ہے دشوار،
نام و نشان تک کھو بیٹھے ہیں، بیڑے پائدار،

CS CamScanner

وہ پھر لوٹ کے کب آئے جو، گئے ہیں اس منجدھار،
ان کو پہنچانا پار، جو تیر نہ پائیں سائیں!

(سُر سوہنی)

وہ دریا جس میں بیڑے چلتے تھے جو اکثر طاقتور دریا کی لہروں میں غرقاب ہو جاتے تھے، لیکن افسوس کہ اُس دریا میں آج کشتیاں تک نظر نہیں آتیں۔

دریائے سندھ میں ابتدائی مقام سے تربیلا تک سات دیگر دریا آکر شامل ہوتے ہیں۔ کالاباغ کے قریب افغانستان کا دریائے کابل کا 16.8 ملین ایکڑ فٹ پانی اپنے ساتھ لیکر سندھو کا حصہ بنتا ہے۔ پنجند کے پاس پانچ دیگر دریاؤں چناب، جہلم، ستلج، بیاس اور راوی کا پانی دریائے سندھ میں شامل ہوتا ہے۔ چشمہ بیراج اور کالاباغ کے درمیان کرم ندی، کیتور ندی، توچی ندی، گومی ندی اور کچھ دیگر ندیاں / پہاڑی نالے سندھو میں آکر گرتے ہیں۔ کوہِ سلیمان سے آنے والے برساتی نالے بھی پنجند سے نیچے پنجاب کی سرحد میں دریائے سندھ میں شامل ہوتے ہیں۔ دریائے سندھ کا رگ وید میں بھی ذکر ملتا ہے۔ رگ وید کے ایک اشلوک میں دریائے سندھ کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے:

او سندھو!
تم تیز بہتی گومتی سے
مقابلے کی غرض سے پہلے تو
ترشتماندی سے ملتی ہو
اس سے مل کر
تم سسرتوا، سس اور شویمتی
سے ہم آغوش ہوتی ہو۔

کپا اور مھنیو ندیوں کے
دھارے کے ساتھ
آگے بڑھتی چلی جاتی ہو۔

دریائے سندھ جس کو شیر دریا بھی کہا گیا اور اپنے بہاؤ کے لحاظ سے دریائے نیل سے بڑا ہے۔ دریائے سندھ کا اختتامی خطہ یعنی انڈس ڈیلٹا دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا ہے۔ آج یہ دریا بین الاقوامی ماہرین کی نظر میں دنیا کے ان آٹھ مرتے ہوئے دریاؤں میں شامل ہے، جو آئندہ صدی کے دوران اپنے ڈیلٹا تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ اس صورتحال کو ایک سندھ شاعر نے کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے:

مانسرور سے ساگر کو تک
سندھو کی راہ
کلے گولوگوں
نے ہی روکی۔

(آسی محمود زمینی)

دریائے سندھ کی موجودہ صورتحال کوئی ایک دن میں سامنے نہیں آئی۔ اس کی ابتدا 1857ء سے ہوئی اور انتہا 1960ء میں ہوئی جب تین مشرقی دریا بھارت کو فروخت کیے گئے، جس میں سندھ کی رضامندی شامل نہیں تھی۔

انڈس ڈیلٹا میں آنے والا پانی جو 1947ء میں اوسطاً 73 ملین ایکڑ فٹ تھا جبکہ اس کے آنے والی گاد کا اندازہ 225 ملین ٹن تھا، 1991ء میں یہ کم ہو کر بالترتیب 50 ملین ایکڑ فٹ اور 50 ملین ٹن تک پہنچ گئے۔ 1991ء کے بعد صورتحال مزید ابتر ہو گئی۔ 2001-02 میں یہ پانی فقط 0.74 ملین ایکڑ فٹ تھا، گاد تو اب فقط بڑے سیلابوں (Super Floods) کے ایام میں ہی نظر آتی ہے۔

انڈس ڈیلٹا کی موجودہ صورتحال پر دنیا بھر میں پریشانی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں ورلڈ بینک کے ایک وفد نے سیڈا سے ہونے والی اپنی ایک ملاقات میں انڈس ڈیلٹا کے حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ ورلڈ بینک نے ڈیلٹا کی بہتری کیلئے 125 ملین ڈالر کی رقم مختص کی ہے۔ اس سے قبل محکمہ آب پاشی سندھ سے اپنی ایک ملاقات میں ورلڈ بینک کے صدر نے کوٹری بیراج سے آگے پانی کی صورتحال صفر تک نہ ہونے کا بھی مطالبہ کیا تھا۔

دریائے سندھ میں پانی کم ہونے کی وجہ سے سمندر پیش قدمی کر رہا ہے جس کی وجہ سے زمین برد ہو رہی ہے۔ سمندر دو طریقوں سے زمین برد کرتا ہے۔ ایک وہ زمین ہے جو مستقل بنیادوں پر سمندر میں غرق ہو جاتی ہے، دوسری وہ زمین ہے جس پر سمندر کی لہریں آتی ہیں، یہ زمین بھی قابلِ کاشت نہیں رہتی۔ سیٹلائٹ کے ذریعے لی گئی تصاویر سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ 1978ء سے 2000ء تک سمندر اوسطاً ہر سال مربع چار کلومیٹر آگے آیا ہے، جبکہ 2000ء سے 2007ء تک یہ رفتار 27 مربع کلومیٹر تک جا پہنچی ہے۔ آبی ماہر ڈاکٹر حسن عباس کے مطابق سمندر روزانہ 195 ایکڑ زمین برد کر رہا ہے جو کہ انتہائی تشویشناک صورتحال ہے۔

1991ء کے معاہدے پر پنجاب کی جانب سے عمل درآمد نہ کرنے کا سبب دریائی نظام میں مختص شدہ پانی کی عدم دستیابی بتایا جاتا ہے۔ پنجاب کی جانب سے 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد کرنے سے قبل پانی کے نئے ذخائر بالخصوص کالاباغ اور بھاشا ڈیم تعمیر کرنے کی شرط عائد کی جارہی ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ 1991ء کے معاہدے میں اس ضمن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ معاہدے کی شق نمبر 6 میں نئے ذخائر کی بات اصولی طور پر تسلیم کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جب بھی ممکن ہو گا، نئے ذخائر تعمیر کیے جائیں گے۔ معاہدے کی کسی بھی شق میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ

CS CamScanner

معاہدے پر عمل درآمد نئے ذخائر یا مختص پانی کی یقینی موجودگی سے مشروط ہوگا۔ البتہ شق نمبر 14 (b) میں یہ واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ پانی کی کمی یا زیادتی پاکستان بھر کی بنیاد پر تقسیم ہوگی۔

کیا دریائے سندھ میں پانی 1991ء کے معاہدے میں مختص کردہ پانی سے کم ہے؟ آیئے مختلف آبی ماہرین کی تحریروں کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ اعجاز احمد اپنی کتاب Indus Water Treaty میں گزشتہ ایک صدی کے دوران مغربی دریاؤں میں اوسطاً آئے ہوئے پانی کے اعداد و شمار پاکستان انڈس واٹر کمیشن کے حوالے سے شامل کرتے ہیں، ان کے مطابق 1922ء سے 1947ء تک 135.27 ملین ایکڑ فٹ، 1947ء سے 1961ء تک 147.68 ملین ایکڑ فٹ، 1961ء سے 1967ء تک 133.88 ملین ایکڑ فٹ، 1967ء سے 1976ء تک 128.6 ملین ایکڑ فٹ اور 1976ء سے 2010ء تک 138.37 ملین ایکڑ فٹ پانی دریائے سندھ میں آیا ہے۔

لاہور کے ایک جریدے ”جرنل آف واٹر ریسورسز پلاننگ اینڈ مینیجمنٹ“ نے 2017ء کی اپنی ایک تحقیقی رپورٹ میں دریائے سندھ میں 1976ء سے 2014ء تک اوسطاً آنے والے پانی کی مقدار ارسا سے حاصل کی گئی معلومات کے مطابق 144.53 ملین ایکڑ فٹ بتائی ہے۔ انگریزی روزنامہ ڈان میں 7 جولائی 2021ء کو شائع ہونے والے ایک مضمون میں ارسا کے راؤ ارشاد علی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ دریائے سندھ میں تین مشرقی دریاؤں سے اوسطاً چھ ملین ایکڑ فٹ جبکہ مغربی دریاؤں سے 139 ملین ایکڑ فٹ پانی شامل ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں کو ملایا جائے تو یہ مقدار 145 ملین ایکڑ فٹ بنتی ہے۔ فیصل آباد زرعی یونیورسٹی کی جانب سے شائع کردہ کتاب ”انڈس بیسن واٹر ریسورسز“ میں یہ مقدار 139 ملین

ایکڑ فٹ بتائی گئی ہے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ دریائی نظام میں پانی 1991ء کے معاہدے میں مختص کردہ پانی سے زیادہ ہے۔ زیادہ پانی ہونے کے باوجود گزشتہ نصف صدی سے سندھ سوکھے کا شکار ہے۔ کم پانی کی وجہ سے سندھ پر پڑنے والے معاشی اور ثقافتی منفی اثرات کا جائزہ میں نے اپنی انگریزی کتاب Hydro Politics in Pakistan میں لیا ہے۔ دریائے سندھ میں آنے والے ایام کے دوران پانی کی آمد میں مزید کمی کا امکان ہے کیونکہ دریائے کابل، جو اوسطاً سالانہ 16.8 ملین ایکڑ فٹ پانی لاتا ہے، پر افغانستان میں ڈیم بنانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ واپڈا کی جانب سے ویژن 2025ء کے تحت دریائے سندھ اور اس میں شامل ہونے والی ندیوں پر دو درجن سے زائد ڈیم بنانے کو تجویز کیا گیا ہے جن میں سے کچھ پر کام جاری ہے۔ دوسری جانب مشرقی دریاؤں سے آنے والا چھ ملین ایکڑ فٹ پانی کسی بھی وقت بند ہو سکتا ہے۔ دریائے سندھ پر نہ صرف ڈیم بنانے کا سوچا جا رہا ہے، بلکہ پانی سے بجلی بنانے کے نئے منصوبوں پر بھی غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ بجلی کے یہ منصوبے بھی پانی کے بہاؤ میں رکاوٹ ڈال سکتے ہیں۔ مستقبل میں ایسی ممکنہ کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے حکومتِ سندھ کو پیشگی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔

موجودہ صورتحال میں سندھ کو ہونے والے معاشی اور ثقافتی نقصانات سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ آنے والے پانی کی پیمائش سائنسی بنیاد پر کرنے کا نظام وضع کیا جائے، جس کیلئے اس وقت ٹیلی میٹر نظام سب سے بہتر ہے۔ اس کے علاوہ دریائے سندھ اور اسکے متعلقہ دریاؤں میں 1991ء سے آج تک آنے والے پانی اور اس کے استعمال کی آڈٹ غیر جانبدار آبی ماہرین سے کرائی جائے، تاکہ اصل صورتحال کا اندازہ ہو سکے کہ کون سا صوبہ کتنا پانی استعمال کرتا ہے اور ارسا کی جانبداری بھی

سامنے آجائے گی۔

سندھ کی گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دینی اور انڈس ڈیلٹا کو بچانے کیلئے ضروری ہے کہ سندھ کو اسکا جائز پانی دیا جائے اور دریائے سندھ پر کوئی نیا ڈیم یا بیراج تعمیر نہ کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ سندھ کو ملنے والے پانی کی سندھ کے اندر تقسیم درست طور پر نہیں ہو رہی ہے۔ محکمہ آبپاشی سندھ، جس کا بنیادی کام پانی کی درست تقسیم کرنا ہے، اس میں مکمل طور پر ناکام رہا ہے اور یہ محکمہ اپنی کارکردگی میں انتہائی مایوس کن ثابت ہوا ہے۔ بااثر اور بالائی مقامات پر موجود بڑے زمیندار ناجائز طریقے سے اپنے حصے سے زائد پانی حاصل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دور دراز علاقوں والے آبادگار اور چھوٹے زمیندار نقصان میں رہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال حالیہ برس ضلع بدین میں پانی کی کمی کے خلاف چلائی گئی تحریک ہے۔ اس لیے سندھ میں پانی کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانے کیلئے محکمہ آب پاشی کو اپنے فرائض منصبی ایمانداری اور انصاف سے بجالانے چاہئیں اور محکمے میں سفارشی کلچر اور اقربا پروری کی روایت کا خاتمہ کرنا چاہئے۔

دریائے سندھ میں پانی کی کمی کی وجہ سے سمندر کی پیش قدمی اور انڈس ڈیلٹا کا تباہ ہونا ایک قومی المیہ ہے۔ اس قومی المیے کا حل ایک مشترکہ سوچ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس کیلئے ہمیں سندھ میں ایک آگہی مہم شروع کرنی چاہئے تاکہ ہماری آنے والی نسلوں ایک محفوظ مستقبل کی حامل ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ، بقول ساعر،

ایسا نہ ہو کہ پڑھا جائے کتابوں میں
کہ تھی کوئی سندھ اور سندھ والوں کی زبان

(نارائن شیام)

(روزنامہ "پنھنجي اخبار" 31/اکتوبر 2021ء)

سندھ میں پانی کی کمی

قدرتی وسائل سے مالا مال سندھ، جس میں دریائے سندھ سال کے بارہ مہینے بہتا تھا، سندھ جو کسی زمانے میں نہ صرف دریائی بندر گاہوں بلکہ سمندری بندر گاہوں کے ذریعے دنیا بھر کے مختلف حصوں سے تجارت کی وجہ سے جڑا ہوا اور مشہور تھا، سندھ جس میں کچے کی چھ لاکھ ایکڑ زمین کے ساتھ پکے کی لاکھوں ایکڑ زمین آباد ہوتی تھی، وہ سندھ آج اپنے پکے کی ایک کروڑ تیس لاکھ ایکڑ زرعی زمین آباد کرنے سے بھی قاصر ہے۔

1932ء میں سکھر بیراج بننے سے قبل سندھ کی زمینیں سیلابی نہروں (Innudation Canals) کے ذریعے آباد ہوتی تھیں۔ سکھر بیراج اور بعد ازاں کوٹری اور گڈو بیراج کی تعمیر کے بعد یہ زمینیں نئے سرے سے بنائی گئی نہروں کے ذریعے آباد ہونے لگیں اور آج تک یہی ان کا واحد ذریعہ آب ہے۔ بیراجی نظام بننے کے ابتدائی دور میں پانی کی کمی نہیں تھی، لیکن آہستہ آہستہ یہ کمی بڑھتی گئی اور اب یہ صورتحال ہے کہ مرکزی حکومت کی جانب سے حال ہی میں جاری کیے گئے اعداد و شمار میں بھی یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ملک میں سب سے زیادہ غیر آباد زمین سندھ میں ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف صوبے بلکہ ملکی معیشت کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان ہو رہا ہے۔

اس رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ گزشتہ تیرہ برسوں کے دوران سندھ میں زیرِ کاشت اراضی میں کمی جبکہ پنجاب میں اضافہ ہوا ہے، اس کی وجہ پانی کے غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ سندھ کے پانی کے وسائل کا واحد ذریعہ دریائے سندھ ہے۔ دریائے سندھ اور اس میں شامل ہونے والی ندیوں کے پانی کی تقسیم کیلئے ایک ادارہ ارسا 1992ء سے کام کر رہا ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ارسا کا رویہ سندھ دشمنی پر مبنی ہے، جس کے کئی اسباب ہیں اور ان پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اربابِ اختیار کے کانوں جوں تک نہیں رینگتی۔ 1991ء میں صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم سے متعلق ہونے والے معاہدے سے جو دوستانہ فضا قائم ہوئی تھی جو بتدریج اپنی افادیت کھو رہی ہے، صوبوں کے درمیان بداعتمادی اور بدگمانی کا ماحول پیدا ہوگیا ہے۔ اسی ماحول میں پنجاب کی جانب سے جلال پور کینال اور تھل کینال فیز 2 کے منصوبے ایشیائی ترقیاتی بینک کے تعاون سے شروع کیے گئے۔ حال ہی میں سندھ اسمبلی نے ان منصوبوں کے خلاف ایک قرارداد بھی منظور کی ہے۔

آیئے! ان منصوبوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جلال پور کینال دریائے جہلم پر رسول بیراج کی اوپری جانب سے نکالا جارہا ہے۔ اس سے پنڈ دادن خان اور خوشاب کے اضلاع کی تقریباً دو لاکھ ایکڑ زمین زیرِ کاشت آئے گی۔ اس زمین کو آباد کرنے کیلئے 200 کلومیٹر طویل نئی نہریں کھودی جائیں گی۔ جلال پور کینال منصوبے کی کُل لاگت 3959.7 ملین روپے ہے، جس میں سے ایشیائی ترقیاتی بینک کا حصہ 2624.052 ملین روپے ہے۔ یہ منصوبہ 2019ء میں سندھ کی رضامندی کے برعکس شروع کیا گیا اور سندھ کے بار بار اعتراضات کے باوجود اس پر کام تیزی سے جاری ہے۔

سندھ حکومت نے اس ضمن میں مرکزی حکومت کو ایک خط بھی ارسال

کیا ہے کہ، "1991ء کے معاہدے کے تحت پنجاب کا حصہ اس کے موجودہ نہروں کیلئے مختص شدہ ہے اور 2007ء میں اس کے پانی کا استعمال 37.7 ملین ایکڑ فٹ تھا، جو کہ اس کے حصے سے زائد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب کی موجودہ نہریں اپنے حصے سے زائد پانی حاصل کر رہی ہیں۔ PC-1 میں منصوبے کے دس روزہ پانی کی ضروریات اور اس منصوبے کیلئے پانی کہاں سے آئے گا اور پنجاب کن نہروں سے اپنے حصے کا پانی کم کر کے جلال پور کینال کو دے گا، پر خاموش ہے۔ مزید یہ کہ ایسا فیصلہ معاہدے کی شق نمبر 4 کے تحت پانی کا تعین کوٹری سے نیچے پانی چھوڑنے کے فیصلے تک نہیں کیا جا سکتا۔" اس خط کی روشنی میں وزارت منصوبہ بندی حکومتِ پاکستان کی جانب سے وزارتِ آبی وسائل کو سندھ کی شکایات کا تدارک ہونے تک جلال پور منصوبے پر کام بند کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ تو ایک جیب سے نکال کر دوسرے میں ڈالنے جیسی بات ہے۔

1991ء کے معاہدے کے تحت پنجاب نے اپنے حصے کے پانی کے جو تفصیل مختلف نہروں کیلئے دس روز بنیاد پر تقسیم کر کے مشترکہ مفادات کونسل کو دیگر صوبوں کے ساتھ ارسال کیے تھے، ان میں جلال پور کینال شامل نہیں ہے۔ جلال پور منصوبے کی منظوری اور اس پر ہونے والا کام 1991ء کے معاہدے کی روح سے متصادم ہے۔ حکومتِ سندھ کے خط میں ذکر کی گئی شق نمبر 4 کی وضاحت کر دوں کہ اس میں اضافی دریائی بہاؤ جن میں سیلاب اور مستقبل کے ذخائر شامل ہیں، کی تقسیم کی گئی ہے۔ جہاں تک تھل کینال فیز 2 کا تعلق ہے، اس کو عام طور پر گریٹر تھل کینال کہا جاتا ہے۔ اس گریٹر تھل کینال کا بھی 1991ء کے معاہدے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

حکومتِ پنجاب نے چشمہ۔ جہلم لنک کینال سے شوبارا کینال نکال کر اس پر

تقریباً تین لاکھ ایکڑ زمین آباد کرنے کا ایک منصوبہ ایشیائی ترقیاتی بینک کے تعاون سے شروع کیا ہے۔ چشمہ جہلم لنک کینال جو ایک سیلابی کینال ہے، اس کو عارضی طور پر ایک موسم میں جاری کرنے سے متعلق حکومتِ سندھ اور حکومتِ پنجاب کے درمیان 1973ء میں ایک معاہدہ ہوا تھا، جس میں یہ واضح طور پر متعین ہوا تھا کہ یہ ایک سیلابی (Flood) کینال ہو گا۔ پنجاب غیر قانونی طور پر طاقت کے بل بوتے پر اس نہر کو استعمال کر رہا ہے، جس کو قانونی شکل دینے کی غرض سے کچھ عرصہ قبل اس کے اختتام پر ایک بجلی گھر تعمیر کرنے کیلئے ارسا سے اجازت طلب کی گئی تھی تاہم سندھ کی شدید مخالفت کی وجہ سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ اب نئے سرے سے شوبارا کینال تعمیر کرنے کی آڑ میں دوبارہ وہی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس منصوبے کی پانی لینے کی گنجائش 8500 کیوسک ہے، اگر یہ منصوبہ مکمل ہو گیا تو سندھ کیلئے آنے والے پانی میں مزید کمی واقع ہو گی۔

اس پوری صورتحال میں سندھ کی پانی کی ضروریات کو کس طرح پورا کیا جاسکتا ہے، اس سلسلے میں سندھ کے ایک نامور آبی ماہر محترم ادریس راجپوت نے مورخہ 30 نومبر 2021ء کو روزنامہ "پنھنجی اخبار" میں تحریر کیے ہوئے اپنے ایک مضمون میں حل تجویز کیا ہے کہ اب بھاشا ڈیم تعمیر ہونا چاہیے -2 منگلا ڈیم کو خریف کے موسم میں مکمل طور پر نہ بھرا جائے کیونکہ اسکے نتیجے میں ربیع کے دوران سندھ کا پانی کم ہو گا۔ -3 چشمہ- جہلم اور تونسہ- پنجند لنک کینال اُس وقت چلائے جائیں جب سندھ میں پانی کی کمی نہ ہو۔ -4 کالاباغ ڈیم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اس سے نکلنے والی آٹھ ملین ایکڑ فٹ کی دو نہروں کی تعمیر سے سندھ کے پانی میں کمی واقع ہو گی۔ -5 مشترکہ مفادات کونسل سے رجوع کرنا۔ ادریس صاحب نے جو کچھ تجویز کیا ہے، اُس میں سے سوائے بھاشا ڈیم کے حق میں تجویز کے، کوئی بھی اختلافی نکتہ نہیں ہے،

جن کے متعلق وہ اکثر و بیشتر لکھتے رہتے ہیں لیکن ارسا، پنجاب یا وفاق نے ان پر کبھی توجہ ہی نہیں دی۔

بھاشا ڈیم کی حمایت میں دو دلائل دیئے جاتے ہیں، ایک تو سمندر میں اوسطاً 35 ملین ایکڑ فٹ پانی جاتا ہے، اسکو استعمال کرنا۔ دوسرا یہ کہ تربیلا ریت میں دھنس رہا ہے، اس کے متبادل کے طور پر بھاشا ڈیم تعمیر کرنا۔ جہاں تک 35 ملین ایکڑ فٹ پانی کے سمندر میں جانے کا تعلق ہے تو یہ بات اختلافی ہے۔ تاہم یہاں صرف اتنا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس میں سے 18.6 ملین ایکڑ فٹ پانی افغانستان کے دریائے کابل اور دیگر دریاؤں کا جبکہ 2.0 ملین ایکڑ فٹ پانی مشرقی دریاؤں کا ہے۔ افغان حکومت نے کابل اور دیگر دریاؤں پر بارہ ڈیم تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جب بھی اس پر عمل درآمد ہوا یہ پانی آنا بند ہو جائے گا۔ جہاں تک مشرقی دریاؤں کے پانی کا تعلق ہے تو اس کو اپنے مستقل ذخائر میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک متبادل ڈیم کا معاملہ ہے تو سندھ کو تربیلا ڈیم سے کون سا فائدہ حاصل ہوا ہے کہ اس کے دھنس جانے سے کوئی نقصان ہو گا۔ تربیلا ڈیم کی تعمیر کے بعد حکومتِ سندھ کے اعداد شمار کے مطابق 2005ء تک ساحلِ سمندر کی 12 لاکھ ایکڑ زمین سمندر برد ہو چکی ہے۔ یہ اراضی حال ہی میں وزیرِ آب پاشی سندھ کی سندھ اسیمبلی میں کی گئی تقریر کے مطابق 32 لاکھ ایکڑ ہو چکی ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی نیا ڈیم تعمیر ہوتا ہے تو سندھ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

ہمیں بڑے ڈیموں کی وجہ سے ہونے والے نقصانات پر چینی ماحولیاتی ماہر وین بو کی جانب سے دریائے یانگٹز پر ڈیم کی تعمیر کی وجہ سے مرتب ہونے والے اثرات پر کہی ہوئی بات یاد رکھنی چاہئے، جنہوں نے کہا تھا کہ چین میں آنے والی خشک سالی ان ڈیموں کا نتیجہ ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ہمیں صرف اقتصادی فوائد

ہی نہیں بلکہ ماحولیاتی نقصانات پر بھی نظر ڈالنی چاہیے۔ سندھ میں پانی کے مسئلے کا حل کوئی نیا ڈیم نہیں ہی بلکہ 1991ء کے معاہدے پر من و عن عمل درآمد کرنا ہے، جس کیلئے ضروری ہے کہ دریائے سندھ میں آنے والے پانی اور اس کے استعمال کی درست معلومات کیلئے پیمائش کا سائنسی نظام یعنی ٹیلی میٹر سسٹم رائج کیا جائے اور پانی کی آمد اور اخراج کی درست معلومات کیلئے اس کی غیر جانبدار آبی ماہرین سے آڈٹ / جانچ پڑتال کرائی جائے کہ سسٹم میں کتنا پانی آرہا ہے اور اس میں سے کون سا صوبہ کتنا پانی استعمال کر رہا ہے اور راہ میں کس صوبے میں کتنا پانی ضائع ہو رہا ہے۔ اگر سندھ میں پانی کی کمی ختم کرنے کیلئے قانونی تقاضائیں پوری نہیں کی گئیں تو سندھ میں بیروزگاری، بھوک اور غربت میں اضافہ ہوگا اور ایسی صورتحال کوئی بھی منفی رُخ اختیار کر سکتی ہے۔ اس لیے سندھ کے باشندوں کا معاشی قتلِ عام کرنے کے بجائے قانونی تقاضے پورے کیے جائیں۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار"، 06/ دسمبر 2021ء)

سندھ، پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم

سندھ جو صدیوں سے سرسبز اور شاداب خطہ زمین رہا ہے، آج اپنی شادابی اور حیات کو برقرار رکھنے میں مشکلات کا شکار ہے۔ سندھ کو زرعی پانی کے سلسلے میں شکایات تو گزشتہ ڈیڑھ صدی سے ہیں لیکن اس میں اضافہ بالخصوص 1947ء کے بعد انتہائی نوعیت تک ہو گیا ہے۔ اب تو سندھ خشک سالی کی صورتحال کا شکار ہے۔

سندھ میں پانی کی کمی کے زیرِ عنوان میرا ایک مضمون 6 دسمبر 2021ء کے روزنامہ “پنھنجی اخبار” میں شائع ہوا تھا، جس میں، میں نے لکھا تھا کہ سندھ میں پانی کی کمی کا حل کسی نئے ڈیم کی تعمیر میں نہیں ہے، جس کے جواب میں محترم محمد ادریس راجپوت نے “سندھ کا پانی دیا میر-بھاشا ڈیم کی تعمیر کے بغیر حاصل نہیں ہو گا” کے عنوان سے اُسی اخبار میں ایک مضمون تحریر کیا ہے، جس میں وہ سندھ کے پانی کی کمی کا واحد حل بھاشا ڈیم کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں، “نہ جانے کیوں سندھ کے لوگ میری بات سے اختلاف کرتے ہیں؟ جبکہ میں تمام تر متبادل بتا چکا ہوں۔ جانے میری سمجھ میں کوئی کمی ہے یا لوگ میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کیا کہوں؟ سندھ میں میری ایک ایکڑ زمین بھی نہیں ہے اور نہ ہی مجھے بھاشا

ڈیم کی تعمیر سے کوئی مالی فائدہ ہوگا۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں، سندھ کے لوگوں کو اس کا مکمل ادراک ہے۔ مخالفت کی بنیادی وجہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر ہے، سندھ کے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر وہ بھاشا ڈیم کی تعمیر پر متفق ہوئے تو پھر وہ کالاباغ ڈیم اور اکھوڑی ڈیم پر زور ڈالیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ میری مخالفت کر رہے ہیں وہ سندھ کے ساتھ ایماندار نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ سندھ میں لوگ بیروزگار ہوں اور غربت میں اضافہ ہو۔ میرا کام ہے لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرنا، اگر وہ مانتے ہیں تو ٹھیک، اور اگر نہیں مانتے تو ان کی مرضی۔"

میں نے نہ صرف دیامیر-بھاشا ڈیم تعمیر کرنے بلکہ دریائے سندھ پر کوئی بھی نیا ڈیم تعمیر کرنے اور پانی کی کمی ختم کرنے کیلئے ضروری اقدامات کرنے سے متعلق اس سے قبل بھی کئی ایک اخباری مضامین لکھے ہیں، جو روزنامہ پنھنجی اخبار میں شائع ہوتے رہے ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

- بھاشا ڈیم: سندھ کیلئے زندگی یا بلیک وارنٹ
- پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم
- بھاشا ڈیم کے نقصانات
- دریائے سندھ پر ڈیم تعمیر کرنے کی سیاست
- کیا ایک نیا ڈیم سندھ کیلئے سود مند ہوگا؟
- سندھو کی راہ نہ روکو
- دریا کی پکار

محترم ادریس راجپوت کو میں اپنے جتنا ہی محب وطن اور سندھ دوست سمجھتا ہوں۔ دونوں کی نظر مستقبل میں سندھ کو درپیش پانی کی کمی اور اس کے نتیجے

CS CamScanner

میں پیدا ہونے والے مسائل اور ان کے حل پر ہے، تاہم ہم دونوں کے پاس اس کے حل مختلف ہیں۔ میں ایمانداری کے ساتھ اس رائے کا حامل ہوں کہ سندھ میں پانی کی کمی کا حل کوئی نیا ڈیم نہیں۔

آئیے! اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ کیا واقعی پاکستان میں پانی زرعی ضروریات سے کم ہے؟ کیا پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے، جس میں یہ مسئلہ ہے؟ درحقیقت پاکستان کے دریائی سسٹم میں آنے والے پانی کا نوے فیصد سے زائد حصہ زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے جہاں گھریلو استعمال کے پانی کی طلب میں اضافہ ہوا ہے، وہیں غذائی قلت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو زرعی استعمال کے تحت زیرِ کاشت اراضی میں اضافہ کیا جائے، دوسری صورت موجودہ حالات میں زیرِ استعمال زرعی اراضی سے زیادہ فوائد حاصل کیے جائیں۔

پہلے طریقے کیلئے ہمیں زیادہ پانی کی ضرورت ہوگی جو کہ ملکی آبی وسائل کے پیشِ نظر مشکل لگتا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملکی آبی وسائل کے اعداد و شمار کی درست معلومات کیلئے مرکزی سرکار کے پاس بھی کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ حال ہی میں ایک محققہ محترمہ عروج نوید نے اپنی کتاب Water Scaracity میں واپڈا کے 2010ء کے اعداد شمار کا حوالہ دیتے ہوئے ملک میں اوسطاً سالانہ موجود پانی کی مقدار 125 ملین ایکڑ فٹ بتائی ہے۔ جبکہ کچھ دیگر کتابوں میں واپڈا اور ارسا کے حوالے سے یہ اعداد و شمار 140 ملین ایکڑ فٹ بھی بتائے گئے ہیں۔ اس 125 ملین ایکڑ فٹ پانی میں مختلف ڈیموں کا پانی فقط 10 سے 12 ملین ایکڑ فٹ ہے، جو کہ ملکی وسائل کا دس فیصد بنتا ہے۔ محترمہ عروج فاطمہ نے اپنی کتاب

میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ دنیا بھر میں اسی سے زائد ایسے ممالک ہیں جن کے پاس پاکستان سے کم پانی موجود ہے لیکن ان کی پیداواری صلاحیت پاکستان سے زیادہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں پانی کی کمی نہیں بلکہ پانی کو درست طریقے سے استعمال کرنے کی صلاحیت کمی ہے۔

ہمارے ہاں فصلوں کو ضرورت سے زیادہ پانی دینے کی وجہ سے زمین کی صلاحیت بھی متاثر ہورہی ہے۔ بین الاقوامی رپورٹوں کے مطابق پاکستان دنیا بھر میں زیادہ پانی استعمال کرنے میں چوتھے نمبر پر ہے، اس لیے ہمیں جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے کم پانی پر زیادہ اراضی آباد کرنے اور اس سے زیادہ زرعی پیداوار حاصل کرنے پر توجہ مبذول کرنی چاہیۓ۔ موسمی تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کاشت کاروں اور کسانوں کو پانی کے بہتر استعمال اور کم پانی پر زیادہ پیداوار حاصل کرنے اور پانی کے ضیاع کو روکنے کی ترغیب دی جائے۔

جہاں تک بڑے ڈیموں کی مخالفت کا تعلق ہے تو دنیا بھر میں بڑے ڈیموں کے منفی اثرات کی وجہ سے ان کی سخت مخالفت کی جارہی ہے جبکہ کچھ ممالک نے بڑے ڈیم ختم کرنا بھی شروع کردیئے ہیں۔ ہمیں بڑے ڈیم تعمیر کرنے کی وجہ سے ملکی معیشت اور ماحولیات پر پڑنے والے منفی اثرات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیۓ۔ بھاشا ڈیم کی تعمیر کیلیئے کم از کم 15 سے 20 ارب ڈالر کی لاگت درکار ہوگی، جس کی ہماری معیشت متحمل نہیں ہوسکتی، اس لیے ہمیں دیگر ممالک سے قرضہ لینا ہوگا۔ قرضہ دینے والے ممالک اپنے مخصوص ملکی سیاسی و معاشی مفادات کو مد نظر رکھتے ہیں، مثلاً اگر ہم بھاشا ڈیم کیلیئے سعودی عرب سے قرضہ لیتے ہیں تو وہ جواباً ہم سے حوثی باغیوں کو کچلنے میں مدد فراہم کرنے کو کہہ سکتا ہے، جو کہ ہمارے ملکی مفادات کے

برعکس عمل ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمارا ملک پہلے سے ہی غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے ہے اور ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر نیا بچہ دو لاکھ چالیس ہزار روپے کا مقروض ہے۔ ان حالات میں مزید قرضے لینے کے بجائے ہمیں اپنا گھر ٹھیک کرنا چاہئے اور موجود وسائل کو استعمال کرنے کیلئے بہتر انتظام کاری پر توجہ دینی چاہئے۔

پانی سے متعلق پیش کیے گئے مندرجہ بالا اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ ڈیموں سے ہمیں بمشکل دس فیصد پانی ہی میسر ہوتا ہے جب کہ راستے میں پانی کا ضیاع کوئی چالیس فیصد ہے۔ اگر حکومتِ سندھ کے زرعی اور آب پاشی ماہرین مشترکہ طور پر اس ضیاع کو کم کرنے اور تحقیق کے ذریعے زرعی پیداوار کے لیے جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے زیادہ پیداوار دینے والے بیج تیار کریں اور کم پانی کے ساتھ ہونے والی فصلیں متعارف کرائیں تو پانی کی کمی سے با آسانی نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کی دو مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔ ایک تو آسٹریلیا میں 1997ء سے 2009ء تک پانی کی قحط جیسی صورتحال درپیش تھی لیکن وہاں بہتر منصوبہ بندی کرکے صورتحال پر قابو پایا گیا۔ ہمیں ان کے تجربات سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے ہمارے پڑوسی ملک بھارت کی ریاست گجرات میں پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے پانچ لاکھ چیک ڈیم (Check Dam) اور تالاب بنا کر کمی کو پورا کیا گیا۔

ہمیں سعودی عرب اور دبئی کی کوششوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے جہاں میٹھا پانی نہ ہونے کے باوجود ترقی کی گئی ہے۔ اسی طرح شہری علاقوں میں پانی کی کمی سے بھی مختلف طریقوں سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے، جن میں راستے میں ضائع ہونے

والے 30 سے 40 فیصد پانی کے ضیاع پر قابو پانا، نمکین پانی کو میٹھا کرنا، گٹر کے پانی کو صاف کر کے از سرِ نو قابلِ استعمال بنانا اور بارش کا پانی محفوظ کرنا اور قابلِ استعمال بنانا، شامل ہیں۔

مستقبل میں موسمی تبدیلیوں کے باعث سندھ میں زرعی پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے ضروری ہے کہ حکومتِ سندھ آب پاشی اور زراعت کے محکمہ جات کو جدید سائنسی بنیادوں پر از سرِ نو منظم کرے، بصورت دیگر دریائے سندھ کے نچلے حصے میں ہونے کی وجہ سے سندھ ہمیشہ نقصان میں رہے گا اور صوبے میں بھوک، بیروزگاری اور لاقانونیت میں اضافہ ہو گا۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار"، 30/ دسمبر 2021ء)

آہ و بکا میرے بس میں

اخباری اطلاعات کے مطابق خیبر پختونخواہ اور گلگت-بلتستان سرحدی حدبندی کا تعین ہو گیا ہے۔ 12 جنوری کو انگریزی اخبار ڈان میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق موجودہ گلگت-بلتستان اور خیبر پختونخواہ کے دو قبائل تھور اور ہربن کے درمیان حدبندی پر ایک تنازعہ تقسیم سے قبل جاری تھا جس پر دونوں فریقین کے درمیان 2014ء میں ایک خونی تصادم بھی ہو چکا ہے، جس میں چار افراد ہلاک جبکہ کئی ایک زخمی بھی ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ تھور قبیلے کا تعلق گلگت-بلتستان کے ضلع دیامیر سے جبکہ ہربن قبیلے کا تعلق خیبر پختونخواہ کے ضلع اپر کوہستان سے ہے۔ خبر کے مطابق اس تنازعے کے حل کیلئے 2019ء میں ایک جرگہ تشکیل دیا گیا تھا جس میں ہر ضلع سے تیرہ نمائندگان شامل تھے۔ بالآخر 11 جنوری 2022ء کو اس تنازعہ کو افہام و تفہیم سے حل کیا گیا۔ واضح رہے کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں مرکزی حکومت کی جانب سے دیامیر-بھاشا ڈیم تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اخبار سے یہ واضح نہیں ہے کہ یہ علاقہ کس قبیلے کو دیا گیا ہے، صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ فریقین کو زمین کی مد میں چالیس کروڑ روپے، چار متوفین کے لواحقین کو فی کس پچاس لاکھ روپے اور زخمیوں کو پچیس لاکھ روپے فی کس معاوضہ دیا گیا ہے۔ زخمیوں کی تعداد نہیں بتائی گئی ہے۔ چیئرمین واپڈا کی جانب سے جرگے کے چھبیس اراکین کو عمرے کی ادائیگی کیلئے

بھیجنے کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔

اس موقعہ پر بات چیت کرتے ہوئے چیئرمین واپڈا کا کہنا تھا کہ اس فیصلے کے بعد دیامیر-بھاشا ڈیم پر کام کرنے میں آسانی ہوگی۔ ڈیم کے اہم نکات بیان کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ڈیم میں 8.1 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے اور اس پر کام 29-2028 میں مکمل ہو جائے گا۔ کام کی تکمیل کے بعد 4500 میگاواٹ بجلی پیداوار کے علاوہ بارہ لاکھ تیس ہزار ایکڑ نئی زمین بھی زیرِ کاشت لائی جا سکے گی۔

دیامیر-بھاشا ڈیم سے متعلق روزنامہ ”پنھنجی اخبار“ میں ایک طویل عرصے سے بحث جاری ہے۔ حال ہی میں 30 دسمبر 2021 کو کو مذکورہ اخبار میں میرا ایک مضمون بعنوان ”پانی کی کمی اور بھاشا ڈیم“ شائع ہوا، جس کے جواب میں محترم محمد ادریس راجپوت کا 11 جنوری 2022ء کو ایک مضمون بعنوان ”سندھ کو مطلوب پانی کس طرح مل سکتا ہے“ شائع ہوا۔

مضمون کے اختتام پر ادریس صاحب بھاشا ڈیم کی تعمیر کے حوالے سے لکھتے ہیں، ”نئے وزیراعظم عمران خان نے اس ڈیم کا افتتاح کیا ہے، ہ یہ ڈیم بنانے جا رہے ہیں اور وفاقی حکومت اسکے تمام تر اخراجات اُٹھا رہی ہے۔ ہمیں کون سا نقصان ہے؟ بھاشا ڈیم میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 6.1 ملین ایکڑ فٹ ہے، جس میں سے سندھ کو 37 فیصد کے حساب سے 2.6 ملین ایکڑ فٹ پانی ملے گا، جس سے نہ صرف کمی کو پورا کیا جاسکے گا بلکہ اس سے نئی زمینیں بھی زیرِ کاشت لائی جاسکیں گی۔“

ادریس صاحب کے اس سوال کہ بھاشا ڈیم سے سندھ کو کیا نقصان ہے، کا میں ایک علیحدہ مضمون میں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ آج فقط 37 فیصد کے معاملے پر توجہ مرکوز کروں گا۔ 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 4 میں تحریر کیا ہوا

ہے کہ، "اضافی دریائی فراہمی (بشمول سیلاب اور مستقبل کے ذخائر) درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوگی:

پنجاب 37 فیصد، سندھ 37 فیصد، خیبر پختونخواہ 14 فیصد، بلوچستان 12 فیصد۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھاشا ڈیم مستقبل کے ذخائر میں شامل ہے یا پھر اضافی دریائی فراہمی میں۔ اضافی پانی سے مراد وہ پانی ہے جو کہ 1991ء کے معاہدے میں مختص کردہ پانی سے زیادہ ہو۔ پنجاب شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم کیلئے اس لیے تیار نہیں ہے کہ اس کے بقول، اولاً معاہدے میں مختص شدہ پانی کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے، پھر شق نمبر 2 کے تحت تقسیم کی بات کی جائے۔ تربیلا ڈیم میں گاد کے جمع ہونے کی وجہ سے اس کے پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کم ہوگئی ہے، جو کہ بقول ادریس صاحب کے اب نصف رہ گئی ہے۔

بھاشا ڈیم کی تعمیر مکمل ہونے میں واپڈا کے بقول مزید سات سال لگ جائیں گے۔ اس دوران تربیلا ڈیم اپنی آخری سانسیں گن رہا ہوگا اور بھاشا ڈیم کو اس کا متبادل قرار دیا جائے گا۔ اس وقت ہماری 37 فیصد اضافی پانی ملنے کی تمام تر اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی۔ ادریس صاحب محمکہ آب پاشی، حکومتِ سندھ کے سیکریٹری بھی رہ چکے ہیں اور ان کے وسیع تر تعلقات اور وسائل بھی ہیں۔ کیا وہ فرزندِ سندھ کی حیثیت سے یہ بتانا پسند کریں گے کہ بھاشا ڈیم کی پی سی ون میں یہ ڈیم مستقبل کے ذخیرے کے طور پر درج کیا ہوا ہے یا کسی متبادل ڈیم کے طور پر کیا وہ بتانا پسند کریں گے کہ بھاشا ڈیم کی وجہ سے بارہ لاکھ ایکڑ سے زائد زیرِ کاشت آنے والی نئی زمین کس صوبے میں ہے؟ کیا اس نئی زمین کو قابلِ کاشت بنانے کیلئے نئی نہریں تو نہیں کھودی جائیں گی؟ اگر نئی نہریں نہیں کھودی جائیں گی تو پھر یہ زمین کن نہروں

سے آنے والے پانی سے سیر اب ہو گی؟ میرے خیال میں یہ بارہ لاکھ ایکڑ زمین وہی ہے جو پنجاب کالاباغ ڈیم اور گریٹر تھل کینال کے ذریعے آباد کرنا چاہتا ہے۔ بھاشا ڈیم کیلئے مختص کردہ زمین پر اختلافات کے حل کیلئے جمع ہونے والے افسران کے نام اخبارات میں شائع ہوئے ہیں، اس سے تو لگتا ہے کہ مرکزی حکومت نے بھاشا ڈیم کی تعمیر کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اس موقعہ پر سندھ کے سیاسی، سماجی اور دانش مند طبقات کی خاموشی ایک سوالیہ نشان ہے۔ اگر سندھ کے لوگ اس پر خاموش رہے تو پھر مستقبل میں افسوس کے ہاتھ ملنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔

قبل ازیں حکومتِ سندھ کی رضامندی کے بغیر پنجاب نے 1991 کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلال پور کینال اور گریٹر تھل کینال پر کام شروع کر دیا ہے۔ جلال پور کینال، شوبارا کینال اور بھاشا ڈیم سے بارہ لاکھ ایکڑ سے زائد نئی زمین قابلِ کاشت بنانے کے معاملے پر محکمہ آب پاشی، حکومتِ سندھ کی خاموشی تعجب خیز بات ہے۔ اس پر یہ کہاوت یاد آجاتی ہے کہ روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔

(روزنامہ "پنھنجی اخبار"، 14/ جنوری 2022ء)

سندھو کو زندہ رہنے دو

گورنر سندھ اور وزیر اعلیٰ سندھ کی اقوام متحدہ کے وفد کے ساتھ سندھ طاس میں ماحولیات کی از سر نو بحالی کے سلسلے میں بات چیت۔ مورخہ 11 جنوری 2022ء کو انگریزی روزنامہ ڈان میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق پاکستان کیلئے اقوام متحدہ کے ریزیڈنٹ اینڈ ہیومنٹیرین کو آرڈینیٹر جولین ہارنیس نے گورنر سندھ اور وزیر اعلیٰ سندھ سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتوں میں صحت، موسمی تبدیلیوں، صاف ستھرے پانی تک رسائی کے وسائل و استعمال اور اقتصادی ترقی سے متعلق بات چیت کی ہے۔ اقوام متحدہ کے اہلکار کا کہنا تھا کہ ان کا ادارہ پاکستان کیلئے آئندہ پانچ برسوں (2023ء تا 2027ء) کے دوران ایک مربوط پروگرام ”یونائیٹڈ نیشن سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ کوآپریشن فریم ورک“ (UNSDCF) تیار کر رہا ہے۔

وفد کا کہنا تھا کہ اس پروگرام کی تیاری کے دوران دریائے سندھ کے ماحول (Ecology) کی از سر نو بحالی کا بھی ان کے سامنے آیا ہے۔ مذکورہ پروگرام کی تیاری کیلئے وفد نے حکومتِ پاکستان کو اس پروگرام میں اپنے منصوبے شامل کرنے کیلئے چار ماہ یعنی جنوری تا اپریل 2022ء کا وقت دیا ہے تاکہ اس پروگرام کو آگے بڑھایا اور قابلِ عمل بنایا جاسکے۔ اجلاس میں وزیرِ اعلیٰ سندھ نے وفد کو پاکستان میں فی کس پانی کی کمی سے متعلق آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ 1950ء میں فی کس پانی کی

CS CamScanner

موجودگی 5000 کیوبک میٹر تھی جو کہ اب کم ہو کر 1000 کیوبک میٹر رہ گئی ہے۔

آیئے! ملک میں کم ہوتے پانی اور اس کے ماحولیات پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔ عام طور پر پانی کی کمی کے دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک انسانی اور دوسری فطری۔ ہمارے ہاں دونوں وجوہات کی بنا پر پانی کم ہو رہا ہے۔ انسانی وجہ یہ ہے کہ 1960ء میں ہم نے سندھ طاس معاہدے کے تحت تین مشرقی دریا ہندستان کے حوالے کر دیئے، جن کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے ان دریاؤں کا بوجھ مغربی دریاؤں پر پڑا اور ہمارے ماہرین نے دریائے سندھ اور دریائے جہلم پر پانی ذخیرہ کرنے کے بڑے ذخائر (Dams) اور دریائے سندھ کا پانی مشرقی دریاؤں کی جانب منتقل کرنے کیلئے فلڈ کینال کے نام پر لنک کینال تعمیر کیے۔

ان بڑے ذخائر میں گاد جمع ہونے کی وجہ سے ان کی پانی جمع کرنے کی گنجائش تبدریج کم ہو رہی ہے۔ منگلا ڈیم کی اونچائی بڑھا کر وقتی طور پر اس گنجائش کو بڑھایا گیا ہے لیکن کچھ برسون کے بعد گاد کی وجہ سے یہی مسئلہ دوبارہ اُبھر کر سامنے آئے گا، جبکہ تربیلا کی گنجائش ماہرین کے مطابق نصف رہ گئی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے مختلف منصوبے بنائے جا رہے ہیں، جن میں بھاشا ڈیم کی تعمیر بھی شامل ہے۔

پانی کی کمی کی دوسری وجہ فطری ہے، جس کا اہم سبب ماحولیاتی تبدیلیاں اور بارش کی کمی ہے۔ ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے گلیشیر تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ گلیشیر پگھلنے کی وجہ سے کچھ سال غیر معمولی سیلاب اور کچھ سال قحط سالی کی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔ چونکہ فطری کمی کے اسباب پر قابو پانا ہمارے بس میں نہیں، اس لیے اس کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے ہمیں پیشگی انتظام کرنا ہو گا تا کہ آنے والی آفات کو ٹالا جا سکے۔

آیئے! ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں کہ ہمیں پانی کن ضروریات کیلئے مطلوب ہوتا ہے۔ پانی زرعی ضروریات کے علاوہ، گھریلو اور صنعتی صارفین اور انڈس ڈیلٹا کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا ملک ایک زرعی ملک ہے اور سندھ طاس میں آنے والے پانی کا 97 فیصد زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ واپڈا کے 2010ء کے اعداد و شمار کے مطابق مغربی دریاؤں میں آنے والے پانی کی مقدار 125 ملین ایکڑ فٹ ہے (بحوالہ: عروج نوید، کتاب واٹر اسکرسٹی)۔ اس مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہی۔ تربیلا ڈیم بننے کے بعد 1976ء سے 2010ء تک اوسطاً 128.6 ملین ایکڑ فٹ پانی آیا ہے۔ کم از کم پانی 2002ء میں 97.16 ملین ایکڑ فٹ اور زیادہ سے زیادہ 60-1959ء میں 186.79 ملین ایکڑ فٹ آیا۔ (بحوالہ: اعجاز احمد، کتاب انڈس واٹر ٹریٹی)۔ اس اوسطاً پانی میں ڈیموں کا حصہ فقط دس سے بارہ ملین ایکڑ فٹ ہے، جو ملکی ضروریات کا بمشکل دس فیصد بنتا ہے۔ دوسری جانب آبی ماہرین کا کہنا ہے کہ راستے اور کھیتوں میں پانی کا ضیاع اندازاً چالیس فیصد ہے۔ پانی کے اس ضیاع کی روک تھام سندھ کی نہروں، شاخوں اور واٹر کورسز کو پکا کرنے اور زمین کی سائنسی بنیادوں پر کھیتی باڑی کرنے اور پیداواری ذرائع میں تبدیلی سے ممکن ہے۔

اگر مرکزی سرکار چاہے تو سندھ بیراج پر 750 ملین ڈالر خرچ کرنے کے بجائے سندھ کی نہروں، شاخوں اور واٹر کورسز کو پکا کرنے پر سرمایہ کاری کر سکتی ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف زرعی پانی کی کمی کا مسئلہ حل ہو گا بلکہ پانی کے بیجا استعمال کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی سیم اور تھور پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ سندھ بیراج، جس کو حکومت سندھ اور سندھ کے باشندے مسترد کر چکے ہیں، کو مرکزی حکومت کی جانب سے بین الاقوامی ماہرین کے ذریعے 2005ء میں کرائے گئے ایک تحقیقی مطالعے میں بھی غیر پائیدار قرار دیا گیا ہے۔ حکومت سندھ کو مرکز پر انحصار کرنے کے بجائے

اپنے وسائل سے ان اقدامات پر فوری عمل درآمد کرانا چاہئے۔ محکمہ آب پاشی، حکومتِ سندھ کی جانب سے نہروں اور شاخوں کو پختہ کرنے کے علاوہ بھی کئی ایک منصوبے زیرِ غور ہیں۔ یہاں میں محکمہ آب پاشی کے ایک غیر ضروری یا کم اہمیت کے حامل منصوبے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ محکمہ آب پاشی، حکومتِ سندھ کی جانب سے ٹھٹہ - سجاول پل کے اوپری بائیں حصے پر تین ارب روپے کی لاگت سے ایک اسپر تعمیر کرنے کا منصوبہ تجویز کیا گیا ہے۔ اس ڈویژن پر میں بیس سال قبل ایگزیکیٹو انجنیئر رہ چکا ہوں، اُس وقت دریا کے بہاؤ کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومتِ سندھ نے نیسپاک کے انجنیئرز کو رپورٹ تیار کرنے کی ہدایت کی تھی، یہ رپورٹ یقیناً محکمے کے ریکارڈ میں موجود ہوگی۔ دریا آج بھی بیس سال پہلے والی صورتحال میں بہہ رہا ہے۔ اس قسم کے دیگر منصوبے بھی ہوں گے، جن کو اگر وقتی طور پر ایک جانب کر کے، ان پر آنے والی مجوزہ لاگت سندھ کی نہروں، شاخوں اور واٹر کورسز پر خرچ کی جائے تو مستقبل میں درپیش پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونا آسان ہوگا۔

پانی کی دوسری اہم ضرورت گھریلو اور صنعتی استعمال کی ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ کے مطابق ملک میں فی کس پانی کی موجودگی ایک ہزار کیوبک میٹر رہ گئی ہے۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق فی کس پانی کی طلب بھی ایک ہزار کیوبک میٹر ہے۔ فی کس پانی کی فراہمی میں کمی آبادی میں انتہائی اضافے کی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ اس ضمن میں سندھ کے شہر کراچی کی مثال ہی کافی ہوگی۔ 1951ء کی مردم شماری کے مطابق کراچی کی آبادی تقریباً بارہ لاکھ تھی، جو اب دو کروڑ کے قریب ہے۔ آج کی صورتحال میں ہم اگرچہ باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو واپس تو نہیں بھیج سکتے لیکن اگر مستقبل میں بھی اس ضمن میں کوئی اقدامات نہیں کیے گئے تو پھر پینے کا پانی تشویشناک حد تک ایک سنگین مسئلہ بن جائے گا۔ پینے کے پانی کیلئے حکومت کو صرف

دریا کے پانی پر انحصار کرنے کے بجائے دیگر ذرائع / طریقے بھی اختیار کرنے ہوں گے، جن میں پانی کی رسد میں ہونے والے ضیاع کو روکنا، استعمال شدہ پانی کو از سر نو قابل استعمال بنانا، نمکین پانی کو میٹھا کرنا اور بارش کا پانی ذخیرہ کرنا شامل ہیں۔ آیئے! دریائے سندھ پر ڈیموں کی تعمیر سے ہونے والے نقصانات اور انڈس ڈیلٹا اور دریائے سندھ کی ایکولاجی کی تباہی اور اس کے اثرات اور اس کی از سر نو بحالی کے ذرائع کو زیر بحث لاتے ہیں۔

انڈس ڈیلٹا کی تباہی اور دریائے سندھ کی ایکولاجی کی تباہی دونوں ایک ہی سکے کے دو پانسے ہیں۔ اس کی ابتدا تو 1859ء سے ہوئی لیکن اس میں اضافہ 1960ء کے سندھ طاس معاہدے کی وجہ سے ہوا اور انتہا 1991ء کے معاہدے کے بعد ہوئی جب کوٹری سے نیچے پانی سال کے فقط تین مہینے آتا جبکہ باقی عرصہ دریا کے پاٹ پر دھول اڑتی رہی۔ دریائے سندھ میں پانی نہ آنے کی وجہ سے سمندر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ محکمہ آب پاشی سندھ کے وزیر نے حال ہی میں سندھ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ اب تک تقریباً 32 لاکھ ایکڑ زمین سمندر برد ہو چکی ہے۔ اس سے قبل حکومتِ سندھ نے 2005ء میں سمندر برد ہونے والی اراضی بارہ لاکھ ایکڑ ظاہر کی تھی۔ فقط سات برسوں میں بیس لاکھ ایکڑ زمین کا سمندر برد ہونا ایک تشویشناک بات ہے۔ اگر ہم اس آبی جارحیت کو روکنے میں ناکام ہوئے تو آنے والی صدی کے دوران سندھ کا ایک بڑا حصہ صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

دریا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے نہ صرف سمندر پیش قدمی کر رہا ہے بلکہ تمر کے جنگلات میں بھی کمی واقع ہو رہی ہے۔ تمر کے جنگلات جہاں مچھلیاں انڈے دیتی ہیں، کم ہونے کی وجہ سے مچھلیوں کی نسلی افزائش بھی کم ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے ماہی گیری پر انحصار کرنے والے افراد میں بیروزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔

انڈس ڈیلٹا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے بھوک، بیروزگاری، صحت اور آبادی کی نقل مکانی جیسے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس ضمن میں ماحولیات، ماحولیاتی تبدیلیوں اور ساحلی علاقوں کی ترقی کے وزیر کا بیان بھی اہمیت کا حامل ہے، جن کا کہنا ہے کہ دریا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے زندگی کے تمام تر امور سے تعلق رکھنے والے معاملات، زرعی زمین کے ضیاع اور جنگلی حیات پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ ساحلی پٹی سے شہروں کی جانب نقل مکانی کر رہے ہیں۔

آج جب دنیا انڈس ڈیلٹا اور دریائے سندھ کو بچانے کیلئے سرگرداں ہے، اُس وقت ہمارے ماہرین دریائے سندھ پر بھاشا ڈیم تعمیر کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ بھاشا ڈیم کی مخالفت فقط سندھ میں ہی نہیں ہے بلکہ لداخ سے تعلق رکھنے والے بدھ مت کے پیروکار بھی اس کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بھاشا ڈیم کی تعمیر کی وجہ سے چلاس کی پہاڑیوں پر موجود بدھ دور کی تحریریں اور دوسرا تاریخی ورثہ بھی زیرِ آب آجائے گا۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ بھاشا ڈیم سے کوئی نئی نہر نہیں نکالی جائے گی اور ڈیم کی تعمیر سے سندھ کو اپنے حصے سے 2.6 ملین ایکڑ فٹ زیادہ پانی حاصل ہوگا، جو کہ حقیقت کے منافی بات ہے۔

12 جنوری 2022ء کے روزنامہ ڈان میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق واپڈا کا کہنا ہے کہ بھاشا ڈیم کی تعمیر سے بارہ لاکھ ایکڑ سے زائد نئی زمین قابلِ کاشت ہوگی، تاہم یہ زمین کس صوبے میں ہوگی اور یہ کس طرح سیراب ہوگی، اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا جا رہا ہے۔ درحقیقت بھاشا ڈیم کو تربیلا ڈیم کے ایک متبادل کے طور پر تعمیر جا رہا ہے۔ پنجاب 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت پانی کی تقسیم نہ کرنے کا سبب یہ بتاتا ہے کہ سسٹم میں موجود پانی 102 ملین ایکڑ فٹ ہے،

جو کہ معاہدے میں مختص کردہ 117.35 ملین ایکڑ فٹ پانی سے کم ہے، اس لیے جب تک پورا پانی میسر نہیں ہوتا، 1991ء کے معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت تقسیم قابلِ قبول نہیں ہو گی۔ اگر بھاشا ڈیم تعمیر بھی ہو جائے تب بھی پنجاب کے مطابق پانی 108.00 ملین ایکڑ فٹ ہی ہو گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ پنجاب 1991ء کے معاہدے پر عمل درآمد نہیں کرے گا اور سندھ کو معاہدے سے زائد پانی نہیں ملے گا۔

مذکورہ اجلاس میں اقوامِ متحدہ کے نمائندے نے دریائے سندھ کو آنے والی نسلوں کیلئے زندہ رکھنے سے متعلق اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سے قبل ورلڈ بینک، جو سندھ کے بیراجوں کی بہتری اور مرمت کے سلسلے میں مدد کر رہا ہے، نے حکومتِ سندھ کو مشورہ دیا تھا کہ کوٹری بیراج سے نیچے پانی کسی بھی صورت نقطہ صفر تک نہیں ہونا چاہئے۔ اس مرحلے پر میں چین کے ماہر ماحولیات وین بو کا حوالہ دینا چاہوں گا، جنہوں نے ڈیموں کی تعمیر پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں فقط اقتصادی فوائد کی جانب نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ ماحولیاتی نقصانات کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے۔ (بحوالہ عروج نوید کی کتاب "واٹر سیکرسٹی")

دریائے سندھ کو زندہ رکھنے اور انڈس ڈیلٹا کی تباہی کی روک تھام کیلئے ضروری ہے کہ دریائے سندھ اور اس میں شامل ہونے والی ندیوں پر کوئی بھی ڈیم تعمیر نہ کیا جائے اور دریائے سندھ کو آزادانہ طور پر بہنے دیا جائے۔ سندھ میں مستقبل کے دوران پانی کی کمی سے نبرد آزما ہونے کیلئے مندرجہ بالا اقدامات پر فوری طور پر عمل درآمد کیا جائے۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار"، 22/ جنوری 2022ء)

میرے دریائے سندھ کو بچاؤ

سرائیکی وسیب سے تعلق رکھنے والے سرائیکی زبان کے ایک بڑے شاعر ڈاکٹر اشولال نے اکادمی ادبیات کی جانب سے اعلان کردہ ایوارڈ وصول کرنے سے معذرت کر دی ہے۔ سوشل میڈیا کے مطابق اکادمی ادبیات نے سرائیکی زبان کے نامور مصنف اور شاعر کیلئے ملک کا اعلیٰ ترین ادبی ایوارڈ "کمالِ فن" اور دس لاکھ روپے نقد انعام کا اعلان کیا تھا۔

ڈاکٹر اشولال نے ایوارڈ وصول کرنے سے معذرت کرتے ہوئے اربابِ اختیار سے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں ایوارڈ دینے کے بجائے ان کے دریائے سندھ کو بچایا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ دریائے سندھ میری ثقافت، روایات اور روزگار کا سرچشمہ ہے اور اس کی تباہی ایک پوری تاریخ، قوم اور خطے کی تباہی ہے۔ ڈاکٹر اشو لال کی یہ گزارش نہ صرف ذاتی ہے بلکہ یہ ایک سوچ کی نمائندہ بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو آفرین ہے کہ انہوں نے سندھی قوم کے جذبات کی نمائندگی کی ہے، جس کیلئے ہم ڈاکٹرِ اشولال کے شکر گزار ہیں۔

آیئے، ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں کہ ڈاکٹر اشولال کی اس گذارش کا پس منظر کیا ہے۔ دریائے سندھ جو صدیوں سے کروڑوں ایکڑ فٹ پانی کے ساتھ کروڑوں

ٹن گاد کی آمیزش سے پورا سال بہتا رہتا تھا، جس کے نتیجے میں انڈس ڈیلٹا وجود میں آیا اور وہ دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا شمار ہونے لگا۔ گزشتہ نصف صدی سے، بالخصوص 1960ء کے سندھ طاس معاہدے کے بعد دریائے سندھ کی وہ موج مستی باقی نہیں رہی ہے۔ آہستہ آہستہ انڈس ڈیلٹا میں آنے والا پانی کم ہو کر، نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ اب ڈیلٹا میں صرف بڑے سیلابوں کے دوران ہی پانی آتا ہے اور گزشتہ بائیس برسوں کے دوران بڑے سیلاب (Super Floods) فقط دو مرتبہ یعنی 2010ء اور 2015ء میں ہی آئے ہیں۔

دنیا بھر کے آبی ماہرین کے تسلیم شدہ اصول کے مطابق ہر دریا کسی سمندر یا پانی کے کسی بڑے ذخیرے میں جا کر اختتام پذیر ہوتا ہے اور اگر کوئی دریا کسی وجہ سے اپنے اختتامی مقام تک نہیں پہنچ پاتا تو اس کو مردہ دریا تصور کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی آبی ماہرین نے دریائے سندھ سمیت دنیا بھر کے آٹھ دریاؤں سے متعلق خدشہ ظاہر کیا ہے کہ یہ دریا آئندہ صدی کے دوران مردہ دریاؤں میں شامل ہو جائیں گے۔ میں نے 22 مارچ 2022ء کو روزنامہ "پنھنجی اخبار" میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ انڈس ڈیلٹا کی تباہی کا سبب دریائے سندھ کا پانی مشرقی دریاؤں کی جانب منتقل کرنا اور اس پر ڈیم کی تعمیر ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ آج جب دنیا بھر کے آبی ماہرین دریائے سندھ کو زندہ رکھنے کیلئے کوشاں ہیں، اُس وقت ہمارے حکمران اور ان کے ہم نوا دریائے سندھ پر نئے ڈیم تعمیر کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ میں نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ دریائے سندھ پر کوئی بھی ڈیم یا بیراج تعمیر نہ کیا جائے۔ میں نے پانی پر اپنی انگریزی کتاب Hydro Politics in Pakistan میں کوٹری سے نیچے دریا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے انڈس ڈیلٹا پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا ہے، جس کا مختصر اُذکر ذیل میں پیش کیا جا رہا

ہے۔

1- سمندر برد ہونا (Sea Intrusion)

دریائے سندھ میں کروڑوں ایکڑ فٹ پانی اور اس کے ساتھ کروڑوں ٹن گاد آنے کی وجہ سے دنیا کا پانچواں بڑا ڈیلٹا "انڈس ڈیلٹا" وجود میں آیا۔ موجودہ حالات میں کوٹری بیراج سے نیچے سمندر میں دریا کا پانی نہ جانے کی وجہ سے سمندر تیزی سے ساحلی پٹی کی زمین برد کر رہا ہے۔ سندھ کے موجودہ وزیرِ آب پاشی جام خان شورو نے سندھ اسمبلی کو بتایا کہ دریا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے سمندر ساحلی پٹی کی بتیس لاکھ ایکڑ زمین برد کر چکا ہے۔ سندھ بورڈ آف ریونیو نے 2005ء میں سمندر کی پیش قدمی کی شکار یہ اراضی بارہ لاکھ ایکڑ بتائی تھی۔ گزشتہ سترہ برس کے دوران بیس لاکھ ایکڑ زمین کا سمندر برد ہونا ایک خطرناک علامت ہے۔

2- تمر کے جنگلات کی تباہی

تمر کے جنگلات نہ صرف ساحلِ سمندر کو لہروں اور طوفانوں سے محفوظ رکھتے ہیں بلکہ ان جنگلات کی وجہ سے مچھلی کی افزائشِ نسل بھی ہوتی ہے۔ 1988ء میں کی گئی ایک تحقیق کے مطابق ساحلی پٹی میں چھ لاکھ ایکڑ سے زائد اراضی پر تمر کے جنگلات تھے، جو اب کم ہو کر تقریباً ڈھائی لاکھ ایکڑ رہ گئے ہیں۔ ماہرینِ ماحولیات کے مطابق تمر کے جنگلات عام جنگلات کے مقابلے میں زہریلی گیس کاربان ڈائی آکسائڈ کو جذب کرنے کی دس گنا زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں، جس کے نتیجے میں صاف ستھرا ماحول میسر ہوتا ہے۔ تمر کے جنگلات میں ہونے والی کمی کا سبب دریا میں میٹھے پانی کی فراہمی کم ہونا ہے۔

CS CamScanner

3- مچھلی کے شکار میں کمی

یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں ماہی گیری روزگار کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ 1991ء کے دوران انڈس ڈیلٹا میں 3,48,689 میٹرک ٹن مچھلی کا شکار ہوتا تھا، جو 2000ء میں کم ہوکر 64,000 میٹرک ٹن ہوگیا۔ اس مقدار میں ہر سال کمی واقع ہو رہی ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ سندھ کا مشہور تحفہ پلا (مچھلی) جو 1982ء کے دوران 1947ء میٹرک ٹن حاصل ہوتا تھا، اب نہ ہونے کے برابر ہے۔ سندھ کی جھیلیں اور آبی گذرگاہیں، جن کے پانی کا واحد ذریعہ دریائے سندھ تھا، اب ختم ہونے کے قریب ہیں۔ منچھر جھیل جو کشتیوں کے شہر کے طور پر مشہور تھی، کی ویرانی اس کی اہم ترین مثال ہے۔ یہ سب کچھ دریائے سندھ میں پانی نہ آنے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

4- غربت اور بیروزگاری

انڈس ڈیلٹا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے روزگار کے ذرائع میں کمی واقع ہوئی ہے، جس کے نتیجے میں غربت اور بیروزگاری میں انتہائی اضافہ ہوا ہے۔ انڈس ڈیلٹا میں رہائش پذیر لوگوں کیلئے پینے کے پانی کا واحد ذریعہ دریائے سندھ ہے، جس میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے مقامی آبادی مختلف بیماریوں بالخصوص پیٹ کے امراض کا شکار ہے۔ غربت کی وجہ سے لوگ نفسیاتی امراض کا شکار ہیں اور ان میں خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

5- آبادی کی نقل مکانی

انڈس ڈیلٹا لال چاول کی پیداوار کے حوالے سے مشہور تھا۔ چاول کے فصل کی کٹائی کے وقت دور دراز سے لوگ یہاں آتے اور واپسی پر کشتیوں پر چاول

CS CamScanner

لاد کر روانہ ہوتے۔ آج اس علاقے میں لوگ نانِ جویں کیلئے سرگرداں ہیں اور اشیائے صرف دور دراز کے شہروں سے لانے پر مجبور ہیں۔ انڈس ڈیلٹا میں جہاں پانی نہ آنے کی وجہ سے لال چاول کی فصل ختم ہوگئی ہے، وہیں مچھلی کے شکار میں بھی انتہائی کمی واقع ہوئی ہے۔ روزگار کے ذرائع کم ہونے کی وجہ سے لوگ شہری علاقوں کا رخ کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے شہروں پر آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے اور وہاں اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل جنم لے رہے ہیں۔

6-زراعت پر منفی اثرات

انڈس ڈیلٹا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے ساحلی پٹی کی بتیس لاکھ ایکڑ اراضی سمندر برد ہوگئی ہے۔ ماضی میں کوٹری سے سمندر تک دریا کے اُبھار کی وجہ سے کچے کی زمینیں بھی آباد ہوتی تھیں، اب پانی نہ آنے کی وجہ سے یہ زمینیں بنجر ہوگئی ہیں۔ دریا میں پانی نہ آنے کی وجہ سے ڈیلٹا میں زیرِ زمین پانی بھی نمکین ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے سیم اور تھور میں اضافہ ہوا ہے۔ مندرجہ بالا تمام باتوں کی وجہ سے علاقے میں زراعت پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

7-پینے کے صاف پانی کی کمی

ایک اندازے کے مطابق انڈس ڈیلٹا میں کوئی دو سو گاؤں آباد ہیں جہاں رہنے والے انسانوں اور مویشی کے پینے کے پانی کا واحد انحصار دریائے سندھ پر ہے۔ دریائے سندھ میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے کشتیوں کے ذریعے دور دراز سے میٹھا پانی لاتے ہیں، جو کہ ایک تکلیف دہ اور مشکل کام ہے۔

دریائے سندھ پر ڈیم تعمیر کرنے کی مخالفت ابتدائی طور پر صرف سندھ

کے لوگ ہی کرتے رہے ہیں جبکہ کالاباغ ڈیم کے معاملے پر خیبر پختونخواہ بھی سندھ کے ساتھ مخالفت میں شامل رہا ہے۔ اب پنجاب کے سرائیکی علاقے سے بھی دریائے سندھ کو زندہ رکھنے کی آواز اُبھرنا شروع ہوئی ہے، جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اس موقعہ پر چین کے ماہر ماحولیات وین بو کی بات کو دہرانا چاہوں گا، جس کے مطابق ہمیں فقط اقتصادی فوائد ہی نہیں دیکھنے ہوں گے بلکہ ماحولیاتی نقصانات کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔

ڈاکٹر اشو لال کے جذبات کا احترام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ دریائے سندھ کے بہاؤ پر کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور اس کو آزادانہ طور پر بہنے دیا جائے۔ دریائے سندھ پر بنے ہوئے سیلابی پانی کی نہریں چشمہ - جہلم لنک کینال اور تونسہ - پنجند لنک کینال سیلاب کے ایام میں ہی دواں جائیں۔ ماحولیاتی بہتری کیلئے 1991ء کے معاہدے میں مختص کردہ پانی فراہم کیا جائے۔

(روزنامہ "پنھنجي اخبار" 10/اپریل 2022ء)

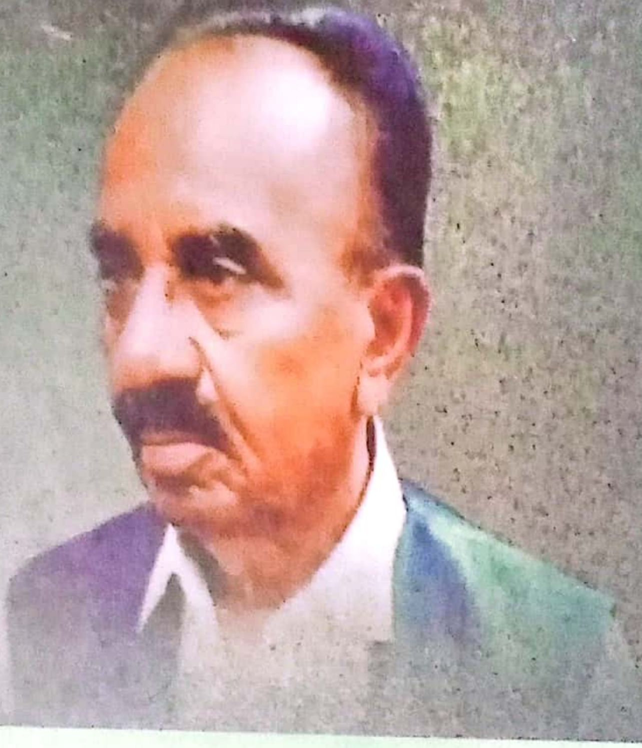

انجنیئر اوبھایو خشک کا 2 جولائی کو روزنامہ "پنھنجي اخبار" میں "پانی کے غیر شفاف فیصلے اور قریب المرگ دریائے سندھ" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

میری نظر میں یہ ایک انتہائی شاندار مضمون تھا، جس میں اوبھایو صاحب نے سندھ کے پانی کا مقدمہ بیان کیا ہے، جس میں پانی کی ضرورت، 1991 کا آبی معاہدہ، پنجاب کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں اور دیگر باتوں کا ذکر ہے۔ مضمون میں انہوں نے اپنی آنے والی کتاب Hydro Politics In Pakistan کا بھی ذکر کیا ہے، جو وہ انگریزی میں شائع کرا رہے ہیں۔

محمد ادریس راجپوت

فکشن ہاؤس
لاہور • گوجر خان • حیدر آباد • کراچی
@fictionhousepublishers www.fictionhouse.com.pk
ISBN 978-627-30-0176-0